ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر

مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۷۴

جلد: ۳۳ ، شمارہ: ۲

ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ = فروری ۲۰۱۵ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۳-افتتاحیہ	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۷
۴-زبان سے نیت کرنے کا.....	ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی	۱۳
۵-''جنت رسول اللہ (ﷺ)...''	مولانا محمد ایوب سلفی	۱۸
۶-بلد حرام کے فضائل اور.....	محمد اسلم مبارک پوری	۲۴
۷-ہندوستان میں عربی زبان.....	عبدالغفار سلفی	۳۲
۸-نماز باجماعت کے فوائد	محبوب عالم سمیع اللہ مدنی	۳۵
۹-خازن جامعہ سلفیہ.....	ادارہ	۳۹
۱۰-اخبار جامعہ	مرتب: عبدالرحیم ریاضی	۴۱
۱۱-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۶
۱۲-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۷

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

یوم آخرت یعنی قیامت اور قرآن مجید

اللہ تعالی کبریائی والی ذات ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاء فَأَنبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلَهٌ مَّعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ، أَمَّن جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَاراً وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَاراً وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزاً أَإِلَهٌ مَّعَ اللَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاء الْأَرْضِ أَإِلَهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلاً مَّا تَذَكَّرُونَ، أَمَّن يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَن يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْراً بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ أَإِلَهٌ مَّعَ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ، أَمَّن يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَإِلَهٌ مَّعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ، قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ، بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُم مِّنْهَا عَمِونَ﴾ (سورہ نمل:۶۰-۶۶)

بھلا بتاؤ تو؟ کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا پھر اس سے بارونق باغات اگائے، تم کو طاقت نہ تھی کہ ان (باغات) کے درختوں کو اگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟ بلکہ یہ ایسی قوم ہیں جو (حق سے) ہٹ کر بات کرتے ہیں۔

بھلا بتاؤ تو؟ کہ زمین کو ٹھہرنے کی جگہ کس نے بنائی اور اس (زمین) کے درمیان نہریں کس نے جاری کی اور اس کے لیے کھوٹے (پہاڑ) بنائے اور دو سمندر کے درمیان روک کس نے بنائی؟ کیا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟ بلکہ ان میں اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

بھلا بتاؤ تو؟ کہ پریشان حال کی پکار کو جب وہ اس کو پکارے کون سنتا ہے اور تکلیف کو دور کرتا ہے، اور تم کو زمین کی خلافت عطا کی، کیا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے، تم کتنی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

بھلا بتاؤ تو؟ کہ خشکی (یعنی زمین) اور سمندر کے اندھیروں میں تم کو راہ کون دکھاتا ہے اور اس کی رحمت کی خوشخبری دینے والی ہوائیں کون چلاتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟ یہ لوگ جن کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اللہ کی ذات ان سے بہت بلند و بالاتر ہے۔

بھلا بتاؤ تو؟ کہ پیدائش کی شروعات کس نے کی، پھر اس کو کون لوٹاتا ہے اور کون ہے جو تم کو آسمان و زمین سے روزی

فراہم کرتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

آپ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین والوں میں سے اللہ کے علاوہ کوئی بھی غیب کی بات کو نہیں جانتا۔ ان کو اس بات کی آہٹ تک نہیں ہے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے، بلکہ آخرت (یعنی قیامت) کے بارے میں ان کا علم ختم ہے، بلکہ وہ تو اس (آخرت کے بارے) میں شک میں مبتلا ہیں بلکہ وہ اس معاملہ میں اندھے ہیں۔

سورہ نمل کی ان آیات میں اللہ تعالی نے انسان کو خبردار کیا ہے کہ قیامت سے غافل مت رہو۔ انسان دنیا کی ہر چیز پر غور کرتا ہے، کیسے بنی، اس میں کیا کیا فائدے کی چیزیں ہیں سب کو ڈھونڈھتا ہے اور اس کو اپنے استعمال میں لاتا ہے۔

مگر آخرت یعنی قیامت کا علم اس کو نہیں ہے، اس لیے یا تو سرے سے انکار کرتا ہے یا پھر وہ اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ یہ غیب کی باتیں ہیں جن کو وہ بتلا رہا ہے، وہ عالم الغیب ہے، اس کے علاوہ دنیا اور آسمان میں کوئی بھی ذات عالم الغیب نہیں ہے، اگر کوئی اس غیب کو جانتا تو کم از کم اپنی زندگی کے خاتمہ کو تو جانتا کہ کب وہ اس دنیا سے اٹھالیا جائے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ اس کی موت کب ہوگی۔

اللہ وحدہ لاشریک تنہا واکیلا ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور ہر طرح کے فعل کو وہی انجام دیتا ہے، اس ذات اقدس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی ساتھی یا شریک ہے۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، اس میں بالکل واضح طور پر صراحت کے ساتھ اللہ نے فرمایا ہے کہ عبادت صرف اسی کی کرو، جو مانگنا ہے صرف اسی سے مانگو، پریشانیاں وہی دور کرتا ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود اور خالق نہیں ہے جو کچھ کر سکے۔

اگر ہم اپنے کم علم کی بنیاد پر یا شک کی بنیاد پر کوئی ایسا کام کریں جو اللہ کی وحدانیت کے خلاف ہو یا کسی کو اس کا سفارشی بنائیں یا اس کے علاوہ کسی کو پکاریں یا کسی سے مدد کے لیے التجا کریں، یہ سب اس عظیم ذات کو پسند نہیں ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کا تصرف ہے۔ کسی کی مجال نہیں، چاہے وہ بزرگ سے بزرگ انسان ہو یا فرشتہ، بغیر اللہ کی اجازت کے اس کے حضور کسی کی سفارش کر سکے۔ اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ بروز قیامت سفارش کریں گے مگر کافی عاجزی اور انکساری کے بعد اللہ آپ کو سفارش کی اجازت دے گا، جیسا کہ آپ نے ہم کو بتلایا ہے۔

سورہ اسراء آیت نمبر ۳۹ میں اللہ تعالی نے اپنے آخری پیغمبر محمد ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: ﴿ذَلِکَ مِمَّا أَوْحَی إِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَةِ وَلاَ تَجْعَلْ مَعَ اللّهِ إِلَهاً آخَرَ فَتُلْقَی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوماً مَّدْحُوراً﴾ اے پیغمبر یہ ان (ہدایتوں) میں سے ہیں جو تمہارے رب نے دانائی کی باتیں تمہاری طرف وحی کی ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنانا کہ (ایسا کرنے سے) ملامت زدہ اور (اللہ کی دربار سے) راندہ بنا کر جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے۔

اللہ تعالی ہم کو سچا مومن اور موحد بنائے اور ہر اس عمل سے بچائے جو جہنم میں لے جانے والا ہو۔ آمین۔

☆☆☆

درس حدیث

اللہ کی امان کس کے لیے؟

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ فَإِنَّهُ مَنْ يَّطْلُبْهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ فَيُدْرِكَهُ فَيَكُبَّهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ. (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل صلاۃ العشاء والصبح فی جماعۃ، حدیث نمبر:۱۴۹۳)

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے فجر کی نماز ادا کی وہ اللہ کی پناہ میں ہے، سو اللہ اپنی پناہ کا حق جس سے طلب کرے گا اس کو نہ چھوڑے گا۔ پھر اسے اوندھے منہ جہنم میں ڈل دے گا۔

عبادات میں وہی حیثیت نماز کو حاصل ہے جو انسان کے جسم میں سر کو حاصل ہے۔ نماز کی اہمیت اور اس کے فضائل کتاب وسنت میں بکثرت وارد ہیں اور ترک صلاۃ پر وعیدیں بھی۔

نماز کو فرائض ونوافل، موکدہ وغیر موکدہ میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور فرض نمازیں جو اگرچہ فرضیت کے اعتبار سے یکساں اہمیت کی حامل ہیں مگر فضائل واہمیت کے اعتبار سے ان کی بھی درجہ بندی کی جاسکتی ہے۔

فجر کی نماز کی جو اہمیت، فضیلت اور اجر وثواب کو بیان کیا گیا ہے اس اعتبار سے اگر یہ دعوی کیا جائے کہ پنج وقتہ نمازوں میں یہ سب سے اہم ہے تو اس دعوی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

یہ ایسی نماز ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں اس کے نام کے ساتھ وارد ہے۔ احادیث میں اس نماز کی فضیلت عصر کی نماز کے ساتھ، عشاء کی نماز کے ساتھ اور تنہا بھی وارد ہے، اس نماز کے قائم کرنے والوں کو قیامت کے دن نور کی بشارت دی گئی ہے، دخول جنت اور جہنم سے حفاظت کا مژدہ سنایا گیا۔ منافقین پر سب سے ثقیل نماز سے تعبیر کیا گیا اور سب سے بڑی بشارت یہ کہ اسے قائم کرنے والا اللہ تعالی کی خاص حفاظت اور خصوصی عنایت میں رہتا ہے، جس کا ذکر مذکورہ بالا حدیث میں کیا گیا۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شارح مشکوۃ المصابیح علامہ طیبی رقمطراز ہیں: "وانما خص صلوة الصبح بالذكر لما فيها من الكلفة والمشقة وأداؤها مظنة خلوص الرجل ومنه ايمانه ومن كان مؤمنا خالصا فهو في ذمة الله تعالى وعهده"۔ (۱۸۴/۲) نماز فجر کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی

ادائیگی میں جو مشقت وتکلیف ہے نیز اس کی ادائیگی نمازی کے اخلاص وایمان کی پختگی کی علامت ہے، جو خالص کامل مومن ہوتا ہے وہ اللہ کی حفاظت وامان میں رہتا ہے۔

اس حدیث میں اللہ کے ذمہ سے مراد اس کی حفاظت وامان ہے۔شارحین حدیث نے نصوص کی روشنی میں اس حدیث کا دو مفہوم ذکر کیا ہے۔

فجر کی نماز ادا کرنے والوں کو اذیت نہ دی جائے بلکہ اسے عزت واحترام سے نوازا جائے، اس لیے کہ نماز فجر ادا کرنے والا نمازی اللہ کی حفاظت وامان میں آ گیا اور جسے اللہ نے امان دے دیا اسے اذیت دینا اللہ کی امان کو توڑنا اور اس کے غضب وعقاب کو دعوت دینا ہے۔امام منذری نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب الترغیب والترھیب میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ مشہور تابعی سالم بن عبداللہ بن عمر، حجاج بن یوسف کے دربار میں موجود تھے، حجاج نے ان سے کہا کہ کھڑے ہو اور اس شخص کا سر قلم کردو، سالم نے تلوار اٹھائی اور اس شخص کو ساتھ لیا اور محل کے دروازے کی طرف چل پڑے، ان کے والد نے ان کو اس کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تو دو تین بار کہا کہ کیا سالم اس حکم کی تعمیل کریں گے؟ جب سالم محل سے باہر نکلے تو اس شخص سے دریافت کیا کیا تو نے فجر کی نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا ہاں، سالم نے کہا جس راستہ سے چاہو چلے جاؤ، واپس آ کر تلوار حجاج کے سامنے رکھ دی، حجاج نے پوچھا کہ اس کی گردن ماردی، سالم نے کہا کہ نہیں، پوچھا کیوں؟ سالم نے کہا کہ میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا وہ اللہ کے رسول سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے فجر کی نماز ادا کی وہ شام ہونے تک اللہ کی حفاظت میں ہے۔(صحیح الترغیب ۱/۳۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز ادا کرنے والا اللہ کی حفاظت میں ہوتا ہے، اس لیے اللہ کی اس حفاظت کا احترام کرتے ہوئے اس کا بھی احترام کیا جائے اور اسے اذیت دے کر اللہ کی ناراضگی مول نہ لی جائے، فجر کی نماز ادا کرنے والوں کے لیے اللہ کا یہ کتنا بڑا انعام ہے؟

اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا اس حدیث میں فجر کی نماز کے سلسلہ میں کوتاہی کرنے سے خاص طور سے منع کیا گیا ہے، اس لیے کہ بندہ اور رب کے درمیان جو معاہدہ ہے اس نماز کے ترک سے وہ ٹوٹ جاتا ہے۔

امام بیضاوی تحریر فرماتے ہیں: ویحتمل أن المراد بالذمة الصلاة المقتضية للأمان فالمعنى لا تتركوا صلاة الصبح ولا تتهاونوا فى شأنها فينتقض العهد الذي بينكم وبين ربكم فيطلبنكم الله به ومن طلبه للمؤاخذة بما فرط فى حقه أدركه ومن أدركه كبه على وجهه في النار، وذلك لأن صلاة الصبح فيها كلفة وتثاقل فأداؤها مظنة اخلاص المصلي والمخلص في أمان الله۔ (فیض

القدیر:۶/۲۱۲)

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس حدیث میں ذمہ سے مراد وہ نماز ہے جس کا مقتضی اللہ کا امان ہے تو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ فجر کی نماز ترک مت کرو اور نہ اس کے بارے میں کوتاہی کرو، ورنہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان جو عہد ہے وہ ٹوٹ جائے گا اور اس کی وجہ سے اللہ تعالی تمہاری طلبی فرمادے گا اور جسے اللہ اس کے حق میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے طلب کرے گا تو اسے پکڑ لے گا اور جسے پکڑے گا اسے اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے گا اور یہ اس لیے کہ فجر کی نماز کی ادائیگی باعث مشقت ہے، اسی لیے یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کی ادائیگی کرنے والا اللہ کا مخلص بندہ ہے، اور اس کا مخلص بندہ اس کی امان میں ہوتا ہے۔

اس حدیث کا یہ دونوں مفہوم بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ پہلا مفہوم فجر کی نماز کی ادائیگی کی ترغیب دیتا ہے تو دوسرا مفہوم اس کے بارے میں کوتاہی کرنے سے ڈراتا اور روکتا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں علماء نے بعض صحیح احادیث اور بعض محدثین کی تبویب کی روشنی میں یہ بات ذکر کی ہے کہ فجر کی نماز کی ادائیگی سے مراد اسے جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہے، خود امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو جس سیاق میں ذکر کیا ہے اور امام نووی نے اس پر جو باب قائم کیا ہے اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

اگر چہ بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ فجر کی نماز اس کے وقت میں ادا کیا جائے، اس اجر کو حاصل کرنے کے لیے جماعت کے ساتھ اس کی ادائیگی شرط نہیں ہے، اور ان لوگوں نے بطور دلیل یہ بات ذکر کی ہے کہ اس حدیث میں اس شرط کو بیان نہیں کیا گیا ہے اور جن محدثین نے "في جماعة" کے اضافہ کو ذکر کیا ہے محققین کے نزدیک یہ ان کا وہم ہے نیز امام ابن ماجہ نے سنن ابن ماجہ کے کتاب الفتن میں اس حدیث پر باب ''المسلمون فی ذمۃ اللہ'' قائم کیا ہے، اس سے بھی اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔

بہر حال نماز فجر کو باجماعت ادا کرنا فضیلت اور اجر وثواب کے اعتبار سے بدرجہا اولی وبہتر ہے، اگر چہ ہم گناہگاروں کے لیے اللہ کے فضل کی وسعت ہی زیادہ باعث تسکین ہے۔

☆☆☆

افتتاحیہ

عصر حاضر میں سیرت طیبہ کی معنویت

اللہ رب العالمین نے فرمایا: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً﴾ (المائدۃ:۳) آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین بنا کر راضی ہوا۔

مکمل دین کے لیے ضروری ہے کہ اس کے نبی کی سیرت بھی مکمل ہو، اللہ نے جس طرح ہمارے دین کو مکمل کیا اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کی سیرت کی بھی تکمیل فرمائی، تاکہ عالم انسانیت کی ہر پہلو اور ہر زاویے سے رہنمائی ہو سکے۔ دنیا میں بے شمار انبیاء کرام آئے وہ اعلی اقدار کے حامل اور ہدایت کے روشن مینار تھے، لیکن ان کی ہدایت اور ان کی شریعت مخصوص وقت اور محدود علاقے کے لیے تھی، یہی وجہ ہے کہ دنیا سے ان کے رخصت ہونے کے بعد ان کی سیرت، ان کے حالات زندگی تاریخ کے اندھیروں میں کھو گئے۔

اللہ جل شانہ سید الانبیاء، خاتم المرسلین محمد ﷺ کو آخری نبی ہونے کا شرف بخشنا چاہتا تھا، جن کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا، آپ کو ایسی شریعت عطا کرنا چاہتا تھا جو کامل ہو اور تا قیامت ہر دور اور ہر زمانہ کے تقاضوں کو پورا کرے، آپ کو ایسی تعلیمات سے نوازنا چاہتا تھا جن پر عمل پیرا ہو کر ہر شخص منزل مقصود تک پہنچ جائے، اسی لیے اس نے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو مجموعہ کمال بنایا، آپ ﷺ بیک وقت شاہد بھی تھے اور مبشر بھی، نذیر بھی تھے اور داعی الی اللہ بھی، معلم بھی تھے اور سراج منیر بھی، ارشاد ربانی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً، وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيراً﴾ (الاحزاب:۴۵-۴۶) اے نبی ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوش خبری دینے والا، ڈرانے والا، اللہ کی جانب اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

تمام انبیاء کرام میں یہ اعجاز صرف آپ ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ کی سیرت کاملیت، جامعیت اور عالم گیریت کا بے مثال مرقع ہے، جس کی برکات طلوع اسلام سے آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی، آپ کی حیات طیبہ اور اعمال و کردار میں زندگی کے تمام اعلی اقدار سمو دیے گئے ہیں اور ہر شعبۂ حیات میں آپ کی رہنمائی موجود ہے، محبت و شفقت، جذبۂ ایثار، جود و سخا، شجاعت و بسالت، صداقت و عدالت، تواضع و خاکساری، حلم و بردباری، انابت و خشیت، عبادت، صبر و توکل، میدان جنگ میں قیادت و سیادت، حالت امن میں عدل گستری و رعایا پروری، درون خانہ بے مثال شوہر شفیق باپ پیکر محبت، رفقا و احباب پر مہربانیوں کی بارش، اعداء سے حسن سلوک کے لازوال درخشاں اور تابندہ نقوش صرف ہمارے پیارے نبی میں موجود تھے۔ یہ کاملیت نبوت محمدی کا معجزہ ہے۔

آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور آپ کی سیرت کا ہر واقعہ تاریخی اعتبار سے اسی طرح مستند اور معتبر ہے جیسے قرآن مجید، انہیں ہم تک پہنچانے والے وہ لوگ تھے جن کی امانت داری، دیانت داری اور صداقت کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں، یہ وہ نفوس قدسیہ تھے جن کی تربیت مدرسہ رسالت میں ہوئی تھی، اسے منضبط کرنے والے وہ محدثین اور سیرت نگار تھے جو صحابہ کرام کے بعد تقوی، دین داری اور علم میں سب سے اونچے منصب پر فائز تھے۔

دنیا میں سیکڑوں ممالک ہیں، ہزاروں قومیں آباد ہیں، ہر ایک کا رہن سہن اور تہذیب جداگانہ ہے، ظہور اسلام کے بعد سیکڑوں انقلابات آئے، علوم وفنون کی ترقی نے بے شمار ایسے مسائل پیدا کیے جو عہد نبوی میں موجود نہیں تھے۔ سیاسی نظریات بدلے، معاشیات کے طور طریقے بدلے، تجارت کے انداز بدل گئے، معاشروں کی قدریں بدل گئیں، آج سائنس اور ٹکنالوجی نے انسان کو زمین سے آسمان تک پہنچا دیا مگر اللہ نے آپ کی سیرت کو اس قالب میں ڈھالا کہ ہر شعبۂ حیات، ہر قوم، ہر ملک، ہر جماعت اور جدید سے جدید مسائل کے لیے وہ شمع ہدایت نبی ہوئی ہے اور تا قیامت بنی رہے گی۔

سیرت نبوی کا مطالعہ علمی مشغلہ نہیں بلکہ دینی اور شرعی ضرورت ہے، اس کے بغیر مسلمان نہ دین کو سمجھ سکتا ہے اور نہ اس پر عمل پیرا ہوسکتا ہے۔ اسلام کے دو ہی ماخذ ہیں قرآن کریم اور سنت نبوی۔ یہی سنت نبوی آپ کی سیرت کا ایک حصہ ہے، قرآن اور سیرت نبوی کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے، دونوں منزل من اللہ ہیں، فرق یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے اور اس پر ثواب ملتا ہے، مطالعہ سیرت سے دین کی پوری معرفت حاصل ہوتی ہے اور اتباع نبی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قرآن اگر متن ہے تو سیرت اس کی تفسیر ہے۔ قرآن اگر اصول ہے تو سیرت اس کی تفصیل، قرآن اگر علم ہے تو سیرت اس کی عملی تطبیق، سیرت پر عمل کیے بغیر قرآن پر عمل نہیں ہوسکتا ہے، سچ فرمایا اللہ رب العالمین نے: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ (النجم:۳،۴) آپ اپنی خواہشات سے کچھ نہیں بولتے، صرف وہی بولتے ہیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: "كان خلقه القرآن" (مسند احمد:۲۵۳۰۲، بسند صحیح علی شرط الشیخین)۔ جس طرح قرآن مجید کے عجائبات ختم ہونے والے نہیں اسی طرح سیرت نبوی کے عجائبات لازوال ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول سے محبت ایمان وعقیدہ کا جز ہے، ایک کامل مومن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت پر سب کچھ قربان کردے۔ یہ محبت صرف اتباع سیرت نبوی سے حاصل ہوسکتی ہے، باری تعالی کا فرمان ہے: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (آل عمران:۳۱) اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلّهِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵) مومنوں کی محبت اللہ کے لیے بہت شدید ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: عن أنس رضي الله عنه قال قال النبي ﷺ لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين۔ (رواہ البخاری:۱۵، مسلم:۴۴) تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہوسکتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اولاد اور تمام لوگوں

سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔ سیرت رسول سے منحرف ہونے والوں کے لیے اللہ دوزخ کی وعید سناتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءتْ مَصِيراً﴾ (النساء:۱۱۵) جو شخص رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے، اس کے بعد کہ اس کے لیے راہ ہدایت واضح ہوچکی ہے اور مومنوں کی راہ کے علاوہ دوسرے راستوں پر چلتا ہے، ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے، جس کی طرف وہ پھرا، پھر ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور جہنم کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

آپ کی سیرت صرف مسلمانوں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے اسوہ حسنہ اور آئیڈیل ہے، قرآن کریم مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر آپ کی سیرت کو نمونہ بنائیں: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱) آپ کو اسوہ آئیڈیل بنانے کے لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ سیرت نبوی کو بار بار پڑھیں، اس کی باریکیوں کو سمجھیں۔ مطالعۂ سیرت سے ہی ہمیں آپ کے کردار اور ہمہ جہت شخصیت کا علم ہوگا کہ آپ جاہ وحشم والے تھے، صاحب شوکت تھے، امین وصادق تھے، مصیبتوں میں صابر تھے، نعمتوں پر شاکر تھے، دنیا کے امور میں دلچسپی لیتے، عابد وشب زندہ دار تھے، عظیم مجاہد اور سپہ سالار تھے، عادل اور منصف مزاج تھے، متواضع اور نرم خو تھے، بہترین دوست اچھے رفیق تھے، اپنی امت سے بے پناہ محبت کرنے والے تھے، مشفق باپ اور کامیاب شوہر تھے، آپ کی سماجی خدمات بے مثال تھیں، آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، کسی پر لعنت نہیں بھیجی، دشمنوں سے آپ نے ایسا سلوک کیا کہ وہ اسلام کے سچے داعی بن گئے، تیئس سال کی مدت میں دنیا کا سب سے بڑا اور تاریخی انقلاب یوں ہی نہیں آ گیا، یہ آپ کی پرکشش شخصیت، اعلی کردار اور لازوال سیرت کا کرشمہ تھا۔

سید الانبیاء ﷺ امن کے پیغامبر حق کے طرف دار اور عدل وانصاف کے سب سے بڑے علم بردار تھے، اللہ نے آپ کو ایسی شریعت دی جو سراپا امن ہے، آپ کی سیرت کا یہ پہلو سب سے نمایاں ہے کہ آغاز شباب میں آپ اس امن کمیٹی کے رکن بنے جو حلف الفضول کے نام سے معروف ہے وہ قوم جن کے سرشت میں خوں ریزی تھی انہیں بھائی بھائی بنا دیا اور ایک ایسی ریاست قائم کی جس کی بنیاد ہی امن پر تھی، آپ نے انسانی زندگی کو سب سے محترم قرار دیا اور خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا: لوگو! تمہارا خون، تمہارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے، جس طرح تمہارے آج کے دن کی، اس مہینے کی اور اس شہر کی حرمت ہے۔ (بخاری:۶۷، ۱۷۴۲، مسلم:۱۲۱۸)

غرضیکہ رسول اللہ ﷺ کی بے مثال نمونۂ زندگی کا نتیجہ تھا کہ عرب اجڈ گنوار لڑاکو اور مشرک لوگ سب سے مہذب تعلیم یافتہ، علم کے سرچشمہ، حقوق انسانی کے پاسبان امن کے داعی بن گئے اور ایک صدی بھی نہیں گذری کہ فاران کی چوٹی سے گونجنے والی توحید کی صدا دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئی۔

آج طاغوتی طاقتیں اسلام کی طاقت سے خوف زدہ ہیں، مادی اور دنیاوی طاقت میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں ہے، لیکن وہ سہمی ہوئی ہیں کہ اسلام کی زبردست روحانی طاقت کسی وقت بھی ان کا کھیل بگاڑ سکتی ہے۔ اسلام کی شبیہ خراب کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو تشدد پسند ثابت کرنے کے لیے وہ ہر حربہ استعمال کر رہی ہیں، ان کی سب سے بڑی یلغار شخصیت رسول پر

ہے وہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ مسلمان سب کچھ برداشت کرسکتا ہے اس کے اوپر ظلم کے پہاڑ توڑے جائیں تو وہ اف نہیں کریگا، مصائب کا طوفان آئے تو وہ اللہ کی مشیت کہہ کر ٹال دے گا، فاقہ کشی کی نوبت آئے تو وہ مہینوں فاقہ کرلے گا، بیوی بچوں کو بھوکا سلادے گا مگر ناموس رسالت پر آنچ آئے تو وہ برداشت نہیں کرے گا کیوں کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہی کا اس کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

حالاں کہ اعداء اسلام کے یہ حملے نئے نہیں ہیں، مکہ کے مشرکین آپ ﷺ کو جسمانی ایذا پہنچانے کے ساتھ اہانت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ صحابہ کرام ملول ورنجیدہ دل مسوس کر رہ جاتے تھے، قرآن کریم نے ان کی گستاخانہ حرکتوں کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے، وہ آپ کا دفاع بھرپور انداز میں کرتا ہے اور مسلمانوں کو وہ منہج بھی بتلاتا ہے جس کے ذریعہ اعدائے اسلام کی اوچھی اور ذلیل حرکتوں کا دندان شکن جواب دیا جاسکے۔

مشرکین مکہ آپ کی دعوت کو روکنے کے لیے ہنسی ٹھٹھا کرتے کبھی آپ کو مجنوں کہتے، کبھی شاعر کہتے اور کبھی جھوٹا ہونے کا الزام لگاتے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقَالُواْ يَا أَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ﴾ (الحجر:٦) اور کافروں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا تو یقیناً پاگل ہے۔

﴿وَعَجِبُوا أَن جَاءهُم مُّنذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ﴾ (ص:۴) انہیں تعجب ہے کہ خود انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آیا اور یہ کافر کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے، جھوٹا ہے۔

کبھی مذاق اڑاتے ہوئے کہتے: ﴿أَهَـؤُلاء مَنَّ اللّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا﴾ (الانعام:۵۳) کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیان سے احسان فرمایا ہے۔

کیا کفار مکہ کی یہ حرکتیں اللہ کو پسند تھیں جو اس نے ان پر اپنی گرفت مضبوط نہیں کی اور انہیں آزاد چھوڑ دیا، نہیں ہرگز نہیں، اللہ کا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے، وہ سیرت طیبہ کو ابدیت عطا کرنا چاہتا تھا، اس لیے اس نے حکمت سے پُر راستہ بتلایا، ایک مقام پر اس نے آپ کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْراً جَمِيلاً﴾ (مزمل:۱۰) اور جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کرو اور وضعداری سے ان سے الگ تھلگ رہو۔ دوسری جگہ دوسرے رسولوں کی مثال دے کر آپ کو صبر کی تاکید کی: ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِءَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُواْ مِنْهُم مَّا كَانُواْ بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾ (الانعام:۱۰) اور تحقیق کہ آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا، پھر جن لوگوں نے ان سے مذاق کیا تھا ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا تمسخر اڑاتے تھے۔ سورۃ الحجر میں تو اللہ آپ کی کردار کشی کرنے والے اور استہزاء کرنے والے کے بارے میں صاف کہہ دیا کہ ہم استہزاء کرنے والوں کے لیے کافی ہیں: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ، إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ، الَّذِيْنَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللّهِ إِلـهاً آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ، وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِيْنَ﴾ (الحجر:۹۴ تا ۹۸) پس آپ

اعلان کر دیجئے اس چیز کا جس کا حکم دیے گئے ہیں اور مشرکوں سے رخ پھیر لیجئے، بے شک ہم استہزاء کرنے والوں کے لیے کافی ہیں، جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو شریک کرتے ہیں وہ عن قریب جان لیں گے، بلا شبہ ہم جانتے ہیں کہ کفار جو کہتے ہیں اس سے آپ رنجیدہ ہیں، پس آپ اپنے رب کی تعریف بیان کیجیے اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جائیں۔

ان آیات میں دو اہم چیزیں بیان کی گئی ہیں، پہلی یہ کہ رسول کی استہزاء کرنے پر اشتعال میں نہیں آنا چاہیے، کیوں کہ ان کو سزا دینے کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے، دوسرا یہ کہ غیرت ایمانی اور محبت رسول کی وجہ سے ایسی باتوں سے ہمیں تکلیف پہنچے، مضطرب اور بے چین ہوں تو اللہ کے حکم کے بموجب اللہ کی حمد وثنا اور اس کی عبادت سے یہ رنج وغم ختم ہو جائے گا۔

ناموس رسالت پر حملے کی یہ صورت خود آپ کے ساتھ پیش آئی، فتوحات کے بعد آپ چاہتے تو ان سب سے گن گن کر بدلہ لیتے، لیکن آپ تو سراپا عفو تھے، ایک لمحہ میں آپ نے سب کو معاف کر دیا۔

صلیبی جنگوں کے بعد عیسائیوں کو یقین ہو گیا تھا کہ طاقت کے زور سے مذہب اسلام پر باندھ نہیں باندھا جا سکتا ہے، اس لیے انہوں نے وسیع اور طویل المیعاد منصوبہ بنایا اور علمی طبقہ کو علوم اسلامی کے حصول پر لگا دیا، ان لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کا گہرائی سے مشاہدہ کیا اور پھر اپنی سازشوں میں مصروف ہو گئے، اسلام کا قلع قمع کرنے اور ناموس رسالت کو داغدار کرنے کے لیے اعتراض والزامات، تکذیبات اور افسانہ طرازیوں کے پہاڑ کھڑا کر دیے، ہر فرعونے راموسی، اللہ نے ایسے علما کو پیدا کیا جنہوں نے ان سے بہتر علمی انداز میں ان کی بخیہ ادھیڑ دی، یہ بھی اللہ کے حکم بموجب تھا، اللہ کا فرمان ہے: ﴿ادْعُ إِلِى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِىْ هِىَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيْلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ (النحل: ۱۲۵) اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور بہتر طریقہ سے ان سے مباحثہ کرو، اللہ تعالی زیادہ جاننے والا ہے، اس شخص کو جو اس کے راستہ سے بھٹک گئے ہیں اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

یہ مستشرقین تیرہویں صدی سے آج تک مسلسل اسلام کے خلاف لکھ رہے ہیں، مگر نہ اسلام کی مقبولیت میں فرق آیا اور نہ اس کی تاثیر میں کمی آئی، ان کی یہ ناکامی ان کو حواس باختہ کر دینے والی ہے۔ انیسویں صدی میں ہندوستان میں عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجیوں نے ناموس رسالت پر جارحانہ حملے کیے۔ ۱۹۲۷ء میں پنڈت چموہنی نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے ''رنگیلا رسول'' نامی کتاب لکھی، اس کتاب کے پبلشر کو علم دین نام کے ایک مسلمان نے مار ڈالا تھا۔ کتاب کا دندان شکن جواب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مقدس رسول کے نام سے دیا تب جا کر مسلمانوں کو اطمینان ہوا۔ سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش کے چھٹویں باب میں قرآن، اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں زہر افشانی کی تو مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اس کے جواب میں حق پرکاش شائع کی۔ دشمنوں کی ہرزہ سرائیوں کے جواب کا یہ منہج ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے بتلایا ہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد ناموس رسالت کی تضحیک کے نئے طریقے اپنائے گئے، کہانیوں، افسانوں اور ناولوں کے ذریعہ اسلام پر حملہ کیا گیا، شخصیت رسول کی کردار کشی کی گئی، سب سے پہلے بدنام زمانہ ناول نگار سلمان رشدی

نے Satanic Verses لکھ کر پوری دنیا کے مسلمانوں میں ہلچل مچادی، پھر ایک بنگالی عورت تسلیمہ نسرین نے اپنی ناول نگاری کا ہدف اسلام کو بنایا۔ ان دونوں کو جمہوریت پسند آزادی رائے کے علمبرداروں نے پوری حمایت اور تحفظ دیا۔ ۲۰۰۰ء میں انٹرنیٹ پر ایک حیا باختہ لڑکی کے سامنے مسلمان نمازیوں کو اس طرح گرا دکھایا گیا جیسے وہ اسی کی عبادت کر رہے ہوں۔ ۲۰۰۱ء میں The Real Islam نامی ویب سائٹ پر رسول اللہ ﷺ سے منسوب چھ تصاویر اپلوڈ کی گئیں اور ہتک آمیز مضامین لکھے گئے جن کا ماحصل یہ تھا کہ نعوذ باللہ آپ دنیا میں تشدد اور دہشت گردی کے سب سے بڑے سبب ہیں۔ ۲۰۰۴ء میں ہالینڈ میں ایک فلم Submission کے ذریعہ اسلامی احکامات کا مذاق اڑایا گیا۔ جنوری ۲۰۰۵ء میں ۳۶۵ صفحات کی کتاب فرقان الحق کے نام سے شائع کی گئی اور مسلمانوں کو اسے نیا قرآن باور کرانے کی کوشش کی گئی۔ اس کتاب میں ۸۸ آیات میں خود ساختہ نظریات داخل کیے گئے ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں نیوز ویک نے امریکی فوجیوں کے گوانتا ناموبے جیل میں توہین قرآن کے ۵۰ سے زائد رپورٹ شائع کی، جس کے بعد دنیا بھر میں اشتعال پھیل گیا۔

شارلی ہیڈو نے ۲۰۰۶، ۲۰۱۱ اور ۲۰۱۳ میں رسول اللہ ﷺ کے اہانت آمیز خاکے شائع کئے، شارلی ہیڈو کے عملہ کے افراد کے مارے جانے کے بعد ان اہانت آمیز خاکوں کو یورپ، آسٹریلیا اور امریکہ میں بار بار شائع کئے گئے۔

ان کا مقصد مسلمانوں کو اشتعال دلانا ہے تاکہ وہ اپنا کنٹرول کھو دیں اور ایک تیسری جنگ کا دہانہ کھل جائے، دوسرا اہم مقصد اسلام سے لوگوں کو دور رکھنا اور مسلمانوں کو تشدد سے جوڑنا ہے۔

سب سے بڑا سوال یہ اٹھتا ہے کہ ان حالات میں مسلمان کیا کریں۔ کیا احتجاج، بائیکاٹ اور تشدد کی راہ مسئلہ کا حل ہے؟ میرے نزدیک مقابلے کا سب سے بہتر طریقہ وہی ہے جس کی تعلیم اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ ان حالات میں ہمارے لیے زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو اسوہ حسنہ پیش کیا ہے اس پر ہم پوری طرح عمل کریں۔ موجودہ حالات میں ہم اپنے نبی کی تعلیمات کو حرز جاں بنالیں نیز ہمارا فرض بنتا ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کی اشاعت و ترویج زیادہ سے زیادہ کریں۔

آج دنیا میں بہت سی ایسی تنظیمیں ہیں جن کے نام مسلمانوں جیسے ہیں، لباس اور وضع قطع اسلامی ہیں، نماز روزہ کے پابند ہیں، عورتوں کو حجاب میں رکھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ اپنے تمام اعمال میں بظاہر مسلمان معلوم ہوتے ہیں، لیکن ان کی فکر اسلام سے میل نہیں کھاتی، سیرت نبوی کی تعلیمات پر ان کا عمل نہیں ہے، وہ بڑی سفاکی اور بے دردی سے بے قصوروں کو خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم انہیں قتل کرتے ہیں، پنجروں میں بند کر کے زندہ جلا دیتے ہیں اور اس کی ویڈیو بھی بناتے ہیں، ان کے ظاہری اعمال پر نہ جائیے، ایسی تنظیمیں خواہ داعش ہو یا القاعدہ یا کوئی اور، ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ یا تو دشمنوں کے آلۂ کار ہیں یا فساد فی الارض کے لیے آئے ہیں، خارجی بھی دین دار ہوتے تھے لیکن منہج نبوت محمدی کو نہیں مانتے تھے، ایسی دہشت گرد تنظیموں اور ایسے افراد کا تعلق نہ اسلام سے ہے اور نہ مسلمانوں سے ہے۔ سچے اسلام کی جستجو ہو تو قرآن مجید پڑھیے، سیرت رسول کا مطالعہ کیجئے اور پھر دیکھئے رحمۃ للعالمین ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کا اسوہ کیسے دنیا کو امن کا گہوارہ بنا دیتا ہے۔ ☆

مسائل واحکام

زبان سے نیت کرنے کا شرعی حکم

ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی

شریعت اسلامیہ منزل من اللہ اور ابدی ہے۔اس شریعت کے تمام احکام کو نبی ﷺ نے اپنی امت تک اسی طرح پہنچا دیا جس طرح آپ پر نازل ہوا، خود اللہ رب العالمین نے اس کی تصدیق "وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى" سے کی ہے، پھر آپ کے بعد آپ کے سچے جانشین سچے صحابہ کرام نے اس دین الٰہی کو ہم تک جیسا کہ ان کے کانوں نے سنا، نظروں نے مشاہدہ کیا، منتقل کر دیا۔

شریعت کے بعض احکام ومسائل ایسے بھی ہیں جن میں یہ امت محمدیہ اختلاف کا شکار ہوئی۔ان مسائل میں تلفظ بالنیۃ (زبان سے نیت کرنا) کا مسئلہ بھی ہے۔

نیت: قصد وارادہ کا نام ہے، یعنی دل کی عزیمت کو نیت کہا جاتا ہے۔لیکن علامہ کرمانی نے یہ کہا کہ عزیمتِ قلب قصد وارادہ سے قدرزائد ہے۔اور امام بیضاوی نے کہا: "النية عبارة عن انبعاث القلب نحو ما يراه موافقا لغرض من جلب نفع أو دفع ضر حالا أو مآلا" یعنی نیت، دل کی آمادگی اس چیز کے تئیں جو اس کے مقصد سے ہم آہنگ ہو کسی نفع کے حصول یا نقصان سے بچنے کی خاطر، خواہ اسی وقت کرنے کا ارادہ ہو یا تاخیر سے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: "والشرع خصصه بالإرادة المتوجهة نحو الفعل، لابتغاء رضاء الله وامتثال حكمه" کہ شریعت نے نیت کو ایسے ارادہ سے خاص کر دیا ہے جو ایسے کام کی طرف متوجہ کرے جو صرف اللہ کی رضا جوئی اور اس کے حکم کی فرماں برداری کے لیے ہو۔(فتح الباری: ۱/۱۳، کتاب الوحی) اور محاسبی نے فرمایا: "النية إرادة العبد أن يعمل بمعنى من المعاني، إذا أراد أن يعمل ذلك العمل لذلك المعنى، فتلك الإرادة نية، إما لله عز وجل وإما لغيره، لقول النبي ﷺ "إنما لكل امرئ ما نوى" (النیۃ وآثارھا فی الاحکام الشرعیۃ: ۸۹) بندے کا کسی بھی معنی پر عمل کرنے کے ارادے کو نیت کہا جاتا ہے (لہذا) جب کوئی ارادہ بنالے کہ وہ یہ کام کرے گا اس معنی ومراد کے تحت تو اس کے اسی ارادے کا نام نیت ہے، خواہ اس سے اللہ تعالی کی رضا مقصود ہو یا نہ ہو، کیوں کہ نبی ﷺ کے قول "انما لكل امرئ ما نوى" سے یہی ثابت ہوتا ہے، اور مشہور ومعروف عربی ڈکشنری لسان العرب (۱۵/۳۴۸) میں ہے: "النية عمل القلب وهي تنفع الناوى وإن لم يعمل الأعمال، وأداء ها لا ينفعه دونها، فهذا معنى قوله "نية الرجل خير من عمله" کہ نیت دل کا عمل ہے، اور نیت، نیت کرنے والے کو فائدہ پہنچاتی ہے، اگرچہ اعمال انجام نہ دیئے ہوں، اور بلا نیت کے اعمال کی ادائیگی فائدہ نہیں دے گی، تو یہی معنی ہے "نية

الرجل خير من عمله" کا، کہ آدمی کی نیت اس کے عمل سے اعلی وبہتر ہے۔

تعریفات مذکورہ وتشریحات بالا سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نیت دل کے ارادے کا نام ہے، خواہ ارادہ کسی بھی چیز کا ہو۔ انسان، اپنے ارادے (نیت) کے مطابق ہی جزا وسزا کا مستحق ہوگا، اگر شر انجام دے گا شر کی نیت کر کے تو بدی اس کے نامۂ اعمال میں نوٹ ہوگی اور اگر اعمال حسنہ انجام دے گا اچھے اعمال کی نیت کے مطابق تو نیکی اس کے رجسٹر میں لکھی جائے گی۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين﴾ (البینۃ: ۵) اس آیت میں اعمال کو خالص اللہ کے لیے انجام دینے کا حکم وارد ہوا ہے اور اخلاص، یہ دل کا عمل ہوتا ہے اور یہی نیت ہے۔ نیت قصد کا نام ہے اور اس کا محل دل ہے۔ الفاظ کے ساتھ نیت کرنا، نہ سنت نبوی سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرام کے اقوال واعمال سے، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو عبادات میں دل کے ارادے کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں اور پہناتے بھی ہیں۔ اور اسی کو درست سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ علمائے امت بھی نیت، دل کے ارادے کو مانتے ہیں خواہ وہ علمائے احناف ہوں یا شافعیت وحنبلیت سے تعلق رکھنے والے علماء ہوں اور علمائے اہل حدیث تو قطعا تلفظ بالنیۃ کے قائل نہیں ہیں۔ اور یہ کسی تعصب وانتہاء پسندی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ صرف اور صرف اس کا ثبوت کتاب وسنت سے دستیاب نہ ہونا ہے۔ یہاں بطور نمونہ چند مشہور ومعروف علماء کے اقوال کو پیش کیا جارہا ہے تا کہ حقیقت امر کی طرف رہنمائی ہو سکے:

☆ امام ابن ہمام الحنفی رقمطراز ہیں: قال بعض الحفاظ: لم يثبت عن رسول الله ﷺ بطريق صحيح ولا ضعيف أنه كان عليه الصلاة والسلام يقول عند الافتتاح، أصلي كذا ولا عن أحد من الصحابة والتابعين، بل المنقول أنه كان عليه الصلاة والسلام إذا قام إلى الصلاة كبر، وهذه بدعة. (شرح فتح القدیر علی الہدایۃ: ۱/۲۷۵) کہ بعض حفاظ کا قول ہے کہ رسول ﷺ سے کسی بھی صحیح وضعیف حدیث سے ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے نماز ادا کرتے وقت اس کے شروع میں "أصلي كذا" میں فلاں نماز پڑھنے جارہا ہوں (لفظاً) کہا ہو، اور نہ ہی آپ کے بعد صحابہ اور صحابہ کے بعد تابعین سے ثابت ہے۔ ہاں البتہ آپ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے۔ اور زبانی الفاظ کے ساتھ نیت کرنا تو بدعت ہے۔

☆ علامہ ملا علی قاری، صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں: إن النية باللسان مع غفلة الجنان غير معتبرة، لما ورد من ان الله لا ينظر إلى صوركم ولا إلى أموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم. (مرقاۃ: ۱/۴۰) یعنی کوئی آدمی زبان سے نیت کرے اور اس کا دل غفلت میں ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لیے کہ وارد تو یہ ہے کہ اللہ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے نہ اموال کو، بلکہ وہ تو تمہارے قلوب واعمال کو دیکھتا ہے۔ گویا یہاں بھی نیت کی جگہ دل ہی کو قرار دیا گیا اور مرقاۃ صفحہ ۴۱ ج ۱ پر رقمطراز ہیں کہ الفاظ کے ساتھ نیت کرنا ناجائز ہے۔ اس لیے کہ یہ بدعت ہے۔

☆ فتاوی عالمگیری میں ہے: النية إرادة الدخول في الصلاة والشرط أن يعلم بقلبه أي صلاة يصلي، وأدناها ما لو سئل لأمكنه أن يجيب على البديهة وإن لم يقدر على أن يجيب إلا بتأمل، لم تجز صلاته ولا عبرة للذكر باللسان، فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن، كذا في الكافي. (فتاوی عالمگیری:۱/۶۵) کہ نیت، نماز میں داخل ہونے کے ارادے کو کہتے ہیں اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اپنے دل سے جانے کہ وہ کون سی نماز پڑھنے جارہا ہے اور نیت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ اگر پوچھا جائے تو فوری طور پر جواب دینے پر قادر ہو کہ (وہ فلاں نماز کا قصد کررہا ہے) اور اگر فوری جواب سے عاجز آجائے اور سوچنے کی ضرورت پڑے تو اس کی نماز ناکافی ہے، اور زبان سے کہہ کر نیت کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، اگر کوئی عزیمت قلب کی پختگی کے لیے ایسا (زبان سے نیت) کرلے تو اچھا ہے، اور ایسا کافی (ایک کتاب کا نام) میں ہے۔ اور فتاوی عالمگیری کے (۱/۶۶) میں ہے کہ: "والنية بدون التكبير ليس بمخرج وإذا صلى ركعة الظهر ثم كبر، ينوي الظهر فهي هي، ويجترئ بتلك الركعة ..... الخ" یعنی نیت تکبیر کے ساتھ ہونی چاہیے۔ لہذا جب ظہر کی نماز پڑھنے کا ارادہ ہو اور ظہر کی نماز کی نیت سے تکبیر کہے تو یہ ظہر کی نماز اور اس کی رکعت کے لیے کافی ہوگی اور ہاں! مذکورہ نیت دل سے ہونی چاہیے، اگر زبان سے نیت کرے اور "نويت أن أصلي الظهر" کہے تو یہ نماز باطل، اور پڑھی گئی رکعت کافی نہ ہوگی۔

☆ ابن عابدین ردالمحتار (۱/۴۷۹) میں فرماتے ہیں کہ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے۔ (بحوالہ فقہ الحدیث)

☆ امام احمد بن حنبل: علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ: "الجهر بلفظ النية ليس مشروعا عند أحمد من علماء المسلمين .....الخ" کہ جہراً الفاظ کے ساتھ نیت کرنا امام احمد بن حنبل کے نزدیک مشروع نہیں ہے جو کہ علمائے سلف میں سے ہیں۔ (فتاوی الکبری:۱/۵)

☆ السید سابق رحمہ اللہ (فقہ السنۃ:۱/۲۹) میں نیت کے بارے میں فرماتے ہیں: "وهي عمل قلبي محض، لا دخل للسان فيه والتلفظ بها غير مشروع" کہ نیت محض قلبی عمل ہے، اس میں زبان کا کچھ بھی دخل نہیں اور اس کا لفظاً ادا کرنا مشروع نہیں ہے۔

☆ علامہ ابن قدامہ کا قول ہے کہ نیت کے معنی قصد وارادہ کے ہیں اور قلب اس کا محل ہے، اگر لفظ کے ساتھ زبان سے ادا کردے جس کے لیے نیت کی جارہی ہے تو یہ تاکید ہوگی۔ (المغنی:۲/۱۳۲)

☆ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زبان سے کہہ کر نیت کرنا، نہ رسول کا فعل ہے نہ ہی آپ کے خلفاء، اصحاب اور سلف امت سے ثابت ہے اور نہ ہی ائمۂ سلف نے کیا ہے۔ جو شخص بھی اس کے دین ہونے کا دعوی کرے اور یہ کہے کہ نیت الفاظ کے ساتھ کرنا واجب ہے تو اس کو چاہیے کہ شریعت کا علم حاصل کرے اور اپنے قول سے رجوع کرلے۔ اصل تو یہی ہے کہ تمام عبادات مثلاً: وضو، غسل، نماز، روزہ اور زکاۃ وغیرہ میں نیت کی جگہ دل ہے اور اس بات پر علماء کا اتفاق ہے۔

علامہ موصوف آگے رقمطراز ہیں کہ نیت قصد وارادہ کا نام ہے جس کا محل عقلاء کے اتفاق کے ساتھ زبان نہیں بلکہ دل ہے۔لہذا اگر دل سے نیت کی گئی تو ائمہ اربعہ اور تمام مسلمانوں کے ائمہ کے نزدیک اس کی نیت صحیح ودرست ہوگی، اول تا آخر سب کا یہی فیصلہ ہے اور جو بھی اقتداء کے لائق ہیں اور ان کی بات پر فتوی دیا جاتا ہے اس مسئلہ میں ان کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں، لیکن ائمہ کے متبعین میں سے بعض متاخرین کا گمان ہے کہ لفظی نیت واجب ہے، لیکن یہ نہیں کہا کہ بآواز بلند کہنا واجب ہے۔ (بہرحال لفظی نیت سری ہو) پھر بھی غلط اور اجماع کے خلاف ہے۔ علامہ موصوف مزید فرماتے ہیں کہ دین اسلام کا جاننا تو اس کے لیے ضروری امر ہے جو سنت رسول وسنت خلفاء کو جانتا ہو، اور یہ بھی کہ کیسے صحابہ کرام وتابعین عظام نماز پڑھا کرتے تھے، اگر ان کے علم میں یہ کیفیت ہے تو وہ یقیناً جانتا ہوگا کہ صحابہ کرام زبانی الفاظ کے ساتھ نیت نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی نبی نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ ہی صحابہ میں سے کسی کو اس کی تعلیم دی۔ (بس آپ سے تو یہی ثابت ہے کہ) "مفتاح الصلاة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم" حدیث متواتر اور مسلمانوں کے اجماع سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام نماز، اللہ اکبر سے شروع کرتے تھے۔ کسی مسلمان نے نبی سے اور نہ ہی کسی صحابی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے زبانی الفاظ کے ساتھ نیت کی ہے، نہ سری طور پر اور نہ ہی جہری طور پر، اور نہ ہی اس کا آپ ﷺ نے حکم ہی دیا ہے۔ اور یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اگر ایسا کچھ ہوتا تو وہ منقول بھی ہوتا، اور یہ بھی معلوم ہونی چاہیے کہ عادۃً وشرعاً اہل علم کتمان علم سے کام نہیں لیتے۔ تو بات واضح ہوگئی کہ جب کسی سے منقول ہی نہیں تو لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ایسا ہوا ہی نہیں۔ (فتاوی الکبری:۱/۵-۶)

☆ علامہ ابن قیم الجوزیہ رقم طراز ہیں: "كان ﷺ إذا قام إلى الصلاة قال: الله أكبر، ولم يقل شيئا قبلها، ولا تلفظ بالنية، ولا قال: أصلي لله صلاة كذا، مستقبل القبلة أربع ركعات إماما أو مأموما ..... الخ" (زادالمعاد:۱/۲۰۱، فصل فی ہدیہ ﷺ فی الصلاۃ) جب نبی ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور اس سے پہلے کچھ نہ کہتے، اور زبانی الفاظ کے ساتھ نیت کبھی نہ کرتے، اور نہ یہ کہتے کہ میں اللہ کے لیے فلاں نماز قبلہ رخ ہوکر چار رکعتیں پڑھنے جارہا ہوں، بحالت امام یا مقتدی، اور نہ ہی اداءً وقضاءً کہا، اور نہ ہی وقت کا نام لیا، اور یہ دس بدعتیں ایسی ہیں جنہیں کسی نے کبھی بھی رسول ﷺ سے نقل نہیں کیا، نہ صحیح سند کے ساتھ اور نہ ہی ضعیف سند سے، نہ متصلا اور نہ ہی مرسلا، بلکہ آپ کے اصحاب میں سے بھی کسی سے منقول نہیں اور نہ ہی تابعین عظام میں سے کسی نے اس کو مستحسن مانا ہے، نہ ہی ائمہ اربعہ اس کے قائل ہیں۔ بعض متاخرین کو امام شافعی کے قول جو انہوں نے نماز سے متعلق "انها ليست كالصيام ولا يدخل فيها أحد إلا بذكر" کہا ہے، اس سے دھوکا ہوگیا اور گمان کرلیا کہ "إلا بذكر" سے نمازی کا زبانی الفاظ کے ساتھ نیت کرنا مراد ہے، حالاں کہ امام شافعی نے ذکر کہہ کر تکبیر تحریمہ مراد لیا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کیسے مستحب قرار دیں گے ایسے امر کو جس کو نہ نبی ﷺ نے کسی نماز میں کیا اور نہ ہی آپ کے خلفاء واصحاب میں سے کسی نے کیا، اور یہ صحابہ کی سیرت ورہنمائی

ہے (جس سے زبانی الفاظ کے ساتھ نیت کرنے کا کچھ سراغ نہیں ملتا ہے) اگر ہمیں صحابہ سے کوئی اس سلسلے میں ثبوت پیش کردے تو ہم اس کو قبول کرنے اور اس پر سر تسلیم خم کرنے کے لیے آمادہ ہیں، اور صحابہ کی رہنمائی سے بڑھ کر کوئی رہنمائی نہیں، کیوں کہ ہر سنت کو انہوں نے نبی ﷺ سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ (اور اس پر عمل کیا) [زادالمعاد: ۱/۲۱]

☆ علامہ شیخ ابن باز: آپ سے ایک سوال کیا گیا کہ وضو اور نماز کے لیے زبان سے نیت کے الفاظ کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟ تو علامہ موصوف نے کہا کہ اس طرح نیت کرنا بدعت ہے، کیوں کہ زبان سے نیت (کے الفاظ ادا) (کرنا نبی ﷺ اور صحابہ سے ثابت نہیں ہے۔ لہذا اس کا چھوڑ دینا ضروری ہے۔ نیت کا محل دل ہے۔ لہذا نیت کے الفاظ زبان پر لانے کی قطعا کوئی ضرورت نہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔ (فتاوی برائے خواتین ص ۷۲، جمع وترتیب محمد بن عبدالعزیز المسند)

☆ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب: رسول اللہ ﷺ یا کوئی صحابی، وضو کے شروع میں "نویت" "میں نے نیت کی" نہیں کہتے تھے۔ (مختصر زادالمعاد: ۲۶) نبی ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے تھے، اس سے پہلے کچھ نہ کہتے تھے حتی کہ آپ زبان سے نیت بھی نہ کرتے تھے، نیز تابعین یا ائمہ اربعہ میں سے بھی کسی نے اسے مستحب نہیں مانا ہے۔ (مختصر زادالمعاد: ۲۸)

مذکورہ اقوال ائمہ وسلف امت سے منقول توجیہات اور ان کے دلائل کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ زبان سے الفاظ کے ساتھ نیت کرنے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ بدعت ہے، کیوں کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں اور اس پر عمل پیرا ہیں وہ اس کو نیکی سمجھ کر بلا دلیل انجام دیتے ہیں اور انسان کو اتنے کمزور ارادے والا نہیں ہونا چاہیے کہ نیت دل سے کرنے کے باوجود اس کو شک ہونے لگے کہ پتہ نہیں اس کی نیت درست ہوئی کہ نہیں اور انسان کی یہ کمزوری اس کے دل میں شیطان کے وسوسوں سے پیدا ہوتی ہے۔ لہذا انسان کو اس بدعت سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے آپ کو وسوسوں کے دلدل سے نکالے۔ بعض علماء نے کہا: الوسوسة إنما تحصل من جهل بالشرع أو خبل في العقل۔ (مجموع فتاوی: ۱۸/۲۶۳) کہ وسوسہ شریعت سے ناآشنائی اور عقل میں فتور کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: نیت بول کر کرنا، عبث وہذیان کی قسم میں سے ہے، نیت انسان کے دل میں ہوتی ہے، لیکن وہ خیال واعتقاد یہ کرنے لگتا ہے کہ نیت اس کے دل میں نہیں ہے، چنانچہ اس کو زبان کے ذریعہ سے حاصل کرنے کا قصد کرتا ہے اور حاصل کا حاصل کرنا محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ مختلف قسموں کے وسوسوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ (مجموع فتاوی: ۸/۲۶۳) لہذا انسان کو وسوسوں اور شیطان کے جال سے دور رہنا چاہیے، تاکہ ہذیان کا شکار نہ ہو اور بدعت کے مرتکب ہونے سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں پیش کردہ تحقیق پر غور وفکر کرنے اور اس کے نتائج پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والله ولي التوفيق وهو الموفق للصواب. ☆

تحقیق وتخریج

"جئت رسول الله (ﷺ) ولم آت الحجر" کا تحقیقی جائزہ

مولانا محمد ایوب سلفی/ استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

زیر بحث حدیث سے قبوری حضرات بڑے مستحکم انداز میں استدلال کرتے ہیں اور عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ایک غیرت مند مسلم نوجوان کے استفسار پر میں نے حدیث کی اسنادی حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ تقبل الله لي ولكم.

فن حدیث سے اشتغال رکھنے والے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ جس دور میں احادیث نبویہ کے جمع وترتیب وتدوین کا اہم کارنامہ ائمہ اسلام اور محدثین عظام رحمہم اللہ انجام دے رہے تھے، اسی دور میں دشمنان اسلام کا ایک گروہ ایک دور سے مشن پر بھی بڑی تندہی کے ساتھ کام کر رہا تھا، وہ حدیثیں گھڑنے، مسلمانوں کے صاف ستھرے عقائد واعمال کو مشکوک بنانے اور اسلام کے مصفی ومجلی چہرے کو داغدار کرنے کا مشن تھا۔عظیم محقق جناب غازی عزیر حفظہ اللہ اپنی مایہ ناز کتاب ''انکار حدیث کا نیا روپ'' میں رقمطراز ہیں: ''تاریخ بتاتی ہے کہ جب سے دنیا، انسانیت کی ہدایت اور فوز وفلاح کے داعی اس دین حق سے متعارف ہوئی، اسی وقت سے دشمنان اسلام نے اس دین فطرت کے خلاف علی الاعلان طرح طرح کی محاذ آرائیاں شروع کر دیں تھیں، لیکن جب اللہ تعالی نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا تو دشمنان دین نے اپنی مخالفتوں اور محاذ آرائیوں کو منافقت بالفاظ دیگر مصلحت کی چادر میں چھپا دیا تھا، لیکن حق یہ ہے کہ وہ خفیہ طریقہ پر اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے سے کبھی باز نہ آئے، ان کے کارآمد بہت سارے خفیہ طریقوں میں سے ایک موثر طریقہ جعلی حدیثیں گھڑ کر دین میں فساد کرنا بھی تھا۔ (انکار حدیث کا نیا روپ:۳۳۸/۳)

یہ حقیقت ہے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کے دلوں میں قرآن وسنت اور سیرت رسول ﷺ سے جو محبت وانسیت جاگزیں ہوئی، اس کی رمق اب تک باقی ہے، مسلمانوں کی قرآن وسنت سے اس بے انتہا جذبہ محبت سے دشمنان اسلام اور شیطان صفت انسانوں نے ہر دور میں خوب خوب فائدہ اٹھایا، حدیثوں کے جمع وتدوین کے دور میں بھی لوگوں نے حدیثیں گھڑیں، انہیں معاشرہ میں پھیلایا اور اہل اسلام کے عقائد واعمال کو بگاڑنے کی بھرپور کوششیں کیں۔آج کے ہائی ٹیکنالوجی

کے دور میں حدیث رسول ﷺ تک عام لوگوں کی رسائی بہت ہی آسان ہوگئی ہے، اس کے باوجود آج بھی ایک گروہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور ان کے عقیدۂ توحید پر ضرب کاری لگانے میں پوری طرح سے سرگرم عمل ہے، بلکہ خوف الٰہی کو بالکل بالائے طاق رکھ کر میدان عمل میں کود پڑا ہے، اپنے مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے یہ گروہ احادیث نبویہ کی بے جا تاویل، لفظی ومعنوی تحریف کے ساتھ ضعیف وموضوع اور منکر روایات کا بھی سہارا لے رہا ہے، جن سے نوجوان، بچے، بڑے، بوڑھے اور عورت ومرد سب کا ذہن تشویش کا شکار ہو رہا ہے۔ بعض حق پسند نوجوان مسلمہ متفقہ اسلامی عقائد واعمال کے خلاف خود ساختہ گمراہ کن عقائد واعمال کی صحت پر حدیثوں سے استدلال کو دیکھ کر متحیر وپریشان ہو جاتے ہیں اور اپنی ذہنی پریشانی اور قلبی خلجان کو دور کرنے کے لیے علمائے کرام سے سوال کرتے اور صحیح موقف جاننے اور شبہات وشکوک کے جواب تلاشنے کی بھرپور کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ایک خطیب کی بیان کردہ حدیث کی تحقیق میں یہ چند سطور حوالۂ قرطاس کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جس حدیث سے خطیب موصوف نے قبروں کو بوسہ دینے، ان سے تبرک حاصل کرنے کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے:

"حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا العباس بن محمد بن حاتم الدورى ثنا أبو عامر عبدالملك بن عمر العقدى ثنا كثير بن زيد عن داؤد بن أبي صالح قال أقبل مروان يوما فوجد رجلا واضعا وجهه على القبر فأخذ برقبته وقال أتدري ما تصنع قال نعم فأقبل عليه فإذا هو أبوأيوب الأنصاري رضي الله عنه فقال جئت رسول الله ﷺ ولم آت الحجر سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تبكوا على الدين إذا وليه أهله ولكن أبكوا عليه إذا وليه غير أهله وقال الحاكم هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه"۔ (مستدرک حاکم:۵/۷۲۰، رقم الحدیث:۸۶۱۸)

ترجمۂ حدیث: ایک دن مروان نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس آیا تو دیکھا کہ ایک شخص نبی ﷺ کی قبر مبارک پر اپنا چہرہ رکھا ہوا ہے، مروان نے اس شخص کی گردن پکڑی اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کر رہے ہو؟ تو اس شخص نے کہا کہ ہاں مجھے معلوم ہے، پھر وہ شخص مروان کی طرف متوجہ ہوا، تو وہ صحابیٔ رسول ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دین کا نگہبان کوئی دین والا شخص ہو تو دین پر مت روؤ۔ ہاں اگر دین کا نگراں کوئی بے دین شخص ہو تب دین پر روؤ۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔

مذکور حدیث مسند امام احمد بن حنبل: (۵/۴۲۲) میں بھی وارد ہے، نیز المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر (۳۹۹۹) اور المعجم الاوسط للطبرانی حدیث نمبر (۲۸۶ و ۳۹۶) پر حاتم بن اسماعیل عن کثیر بن زید عن المطلب بن عبداللہ بن حنطب کے طریق سے آئی ہے۔

امام ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد (۲۴۵/۵) میں اس حدیث کو ذکر فرمایا ہے، اور کہا ہے کہ کثیر بن زید کی امام احمد نے توثیق کی ہے اور امام نسائی وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے اور داؤد مجہول راوی ہے۔

امام ذہبی نے بھی امام حاکم کی تصحیح کی موافقت کی ہے۔ (دیکھئے مستدرک حاکم: ۴۲۲/۵) اللہ کے فضل وکرم سے اس وقت احادیث نبویہ کی اکثر کتابیں تحقیق وتخریج کے بعد مارکیٹ میں آچکی ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل کی تحقیق علامہ ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی کے زیر اشراف جید علماء ومحققین کی ایک جماعت نے کی ہے جو کئی ضخیم جلدوں میں لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔

مسند احمد کے اس محقق نسخہ میں یہ حدیث نمبر (۲۳۵۸۵) پر موجود ہے۔ اس حدیث کے تحقیقی نوٹ میں محققین رقمطراز ہیں: ''داؤد بن ابی صالح کی جہالت اور کثیر بن زید کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے، کثیر بن زید کے سلسلے میں بعض علماء نے تحسین کا کلمہ استعمال کیا ہے اور بعض علماء نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، نیز اس کے متن کے اندر بھی نکارت پائی جاتی ہے''۔

مسند حاکم کے محقق ابوعبداللہ عبدالسلام بن محمد بن عمر علوش فرماتے ہیں: ''کثیر بن زید مختلف فیہ راوی ہے، داؤد کے اندر جہالت ہے اور مطلب مدلس راوی ہے، اس نے سماع کی صراحت نہیں کی ہے۔ (مطلب طبرانی کی سند میں ہے) لہذا یہ حدیث ضعیف ہے۔ (دیکھئے: مستدرک علی الصحیحین: ۷۲۰/۵، رقم الحدیث: ۸۶۱۸)

عظیم محدث علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی مشہور زمانہ کتاب سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ: ۵۵۳/۱ میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس کے ضعف کی صراحت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"وقال الحاكم صحيح الإسناد ووافقه الذهبى وهو من أوهامهما، فقد قال الذهبي نفسه في ترجمة داؤد هذا "حجازي لا يعرف".

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے، لیکن اس حدیث کی تصحیح ان دونوں (امام حاکم اور امام ذہبی) کے اوہام میں سے ہے، خود امام ذہبی داؤد مذکور کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ داؤد حجازی غیر معروف راوی ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: "وقد شاع عند المتأخرين الاستدلال بهذا الحديث على جواز التمسح بالقبر لوضع أبي أيوب وجهه على القبر وهذا مع أنه ليس صريحا في الدلالة على أن تمسحه كان للتبرك كما يفعل الجهال فالسند إليه بذلك ضعيف كما علمت فلا حجة فيه وقد أنكر المحققون من العلماء كالنووي وغيره التمسح بالقبور وقالوا انه من عمل

النصاری"۔ (الضعیفۃ:۱/۵۵۳،۵۵۴)

متاخرین کے نزدیک اس حدیث سے قبروں کو تبرک کے لیے چھونے کے جواز پر استدلال عام ہے، اس لیے کہ اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ قبر نبوی پر رکھا تھا۔ ایک تو یہ روایت اس بات میں صریح اور واضح نہیں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ قبر نبوی پر حصول برکت کے لیے رکھا تھا (جیسا کہ جہال کرتے ہیں)، پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک اس حدیث کی سند بھی کمزور ہے جیسا کہ معلوم ہوا۔ لہذا اس روایت میں اس عمل کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے نیز محققین علماء کرام نے قبروں کو تبرک کے لیے چھونے کے عمل کا انکار کیا ہے اور اسے نصاری کا عمل قرار دیا ہے۔

رہی یہ بات کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ اور امام ذہبی نے بھی ان کی تائید فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ محدثین و محققین علماء کے نزدیک امام حاکم کا تصحیح حدیث میں تساہل معروف ہے۔ اصطلاح حدیث کے مشہور و معروف عالم امام ابن الصلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وهو واسع الخطوة في شرط الصحيح متساهل في القضاء" (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۱، اور دیکھئے: الباعث الحثیث ص ۳۹)

امام حاکم رحمہ اللہ صحیح روایت کے شرائط کے بارے میں بڑے توسع پسند اور صحیح کا حکم لگانے میں متساہل ہیں۔

علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ کا بیان ہے: "فالحاكم عرف تساهله وتصحيحه بالأحاديث الضعيفة بل الموضوعة"۔ (نصب الرایۃ:۱/۱۳۶۰)

یعنی امام حاکم کا تساہل اور ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کی تصحیح مشہور ہے و معروف ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: حدیث کی تصحیح میں امام حاکم کا تساہل اسی طرح مشہور ہے جس طرح علامہ ابن جوزی کا تضعیف حدیث میں تساہل معروف ہے۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے تساہل نے ان کی کتابوں کا فائدہ معدوم کر دیا ہے۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۷۷)

یہاں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ایک عبارت کا ترجمہ پیش کر دینا بھی فائدے سے خالی نہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ''علماء محدثین کا کہنا ہے کہ امام حاکم ایسی احادیث کی بھی تصحیح کر دیتے ہیں جو محدثین اور ماہرین حدیث کے نزدیک بالکل جھوٹی اور من گھڑت ہیں، جیسا کہ انہوں نے زریب بن برثملی کی حدیث کو صحیح قرار دے دیا ہے، جس میں عیسی علیہ السلام کے وصی کا ذکر ہے، جبکہ یہ اہل علم کے نزدیک بالکل جھوٹی ہے، جیسا کہ امام بیہقی اور ابن الجوزی وغیرہما نے بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح ان کی کتاب مستدرک کے اندر بہت ساری حدیثیں ہیں جن کی وہ تصحیح کرتے ہیں جبکہ ماہرین حدیث کے نزدیک وہ موضوع اور من گھڑت ہیں، کچھ حدیثیں موقوف ہیں، جن کو وہ مرفوع قرار دیتے ہیں۔ اسی لیے علم حدیث کی معرفت رکھنے

والے علماء صرف امام حاکم کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے ہیں، اگر چہ ان کی صحیح قرار دی ہوئی زیادہ تر حدیثیں صحیح ہیں۔ (دیکھئے الفتاوی:۱/۲۵۵)

دور حاضر کے عظیم محقق حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ امام حاکم کی ثقاہت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ حاکم نیشاپوری ثقہ وصدوق ہونے کے ساتھ حدیث پر صحیح کا حکم لگانے میں متساہل ہیں''۔ (دیکھئے فتاوی علمیہ:۱/۵۷۸)

واضح ہو کہ امام ذہبی رحمہ اللہ سے بھی تصحیح حدیث میں امام حاکم رحمہ اللہ کی موافقت کرنے میں بعض جگہوں پر غلطی ہوئی ہے۔ شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "وقد اختصر الحافظ الذهبي مستدرك الحاكم وتعقبه في حكمه على الأحاديث فوافقه وخالفه وله أيضا أغلاط"۔ (الباعث الحثیث ص۴۰)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے مستدرک حاکم کا اختصار کیا ہے اور احادیث پر حکم لگانے کے سلسلے میں امام حاکم کا تعاقب کیا ہے، وہ بعض حدیثوں کی تصحیح میں امام حاکم کی موافقت کرتے ہیں اور بعض میں مخالفت، خود امام ذہبی رحمہ اللہ سے بھی اس سلسلے میں غلطیاں ہوئی ہیں۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ امام حاکم اور امام ذہبی کی صحیح قرار دی گئی حدیثوں کو دوبارہ تحقیق کی کسوٹی پر چڑھائے بغیر ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے، بالخصوص اس وقت جب کوئی حدیث ایسے عقیدہ وعمل کو ثابت کررہی ہو، جس کی حرمت وکراہت دلائل قاطعہ سے بالکل واضح ہو۔ زیر بحث حدیث کا بھی یہی حال ہے۔ حدیث مذکور جس عمل کو ثابت کررہی ہے اس کے حرام وبدعت ہونے کی صراحت پر مبنی یہاں علمائے کرام کے چند اقوال ذکر کیے جارہے ہیں۔

بلاشبہ عبادات میں اصل اور بنیاد کتاب وسنت ہے، عبادات میں وہی چیزیں جائز ہیں جنہیں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے جائز قرار دیا ہے، ان کے علاوہ کوئی چیز جائز نہیں، خواہ اہل عقل اسے اچھا ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں، کیونکہ عقل کو دین میں کوئی دخل نہیں ہے۔ علمائے کرام نے ایسے آدمی پر سخت تنقید کی ہے جو نبی کریم ﷺ کی قبر سے تبرک حاصل کرتا ہے اور اس کے اس عمل پر سخت رد کرتے ہوئے واضح فرمایا ہے کہ یہ بدعت اور خلاف سنت ہے''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علماء کا اتفاق ہے کہ جو نبی ﷺ یا کسی بھی پیغمبر علیہ السلام یا کسی بزرگ یا صحابی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت رضی اللہ عنہم وغیرہم کی قبر کی زیارت کرے تو اسے نہ چھوئے اور نہ ہی اس کو بوسہ دے، بلکہ دنیا کی تمام جمادات میں سے حجر اسود کے علاوہ کسی کو بوسہ دینا شرعا جائز نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ کی قبر کو چھونا اور اسے بوسہ دینا تو سب سے مکروہ کہا ہے اور اس سے منع کیا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ انہیں معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کا شرک کی بیخ کنی میں کیا ارادہ تھا اور توحید کو ثابت کرنے نیز دین کو صرف اللہ تعالی کے لیے خالص کرنے میں آپ ﷺ نے کیا کوشش

فرمائی۔کسی کی قبر کو چھونا یا اسے بوسہ دینا، اپنے رخساروں کو اس پر رگڑنا تمام مسلمانوں کے اجماع سے منع ہے، خواہ ایسا انبیاء علیہم السلام کی قبروں کے ساتھ ہی کیا جائے، چنانچہ سلف امت میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا اور نہ کسی امام نے، بلکہ یہ شرک ہے''۔(مجموع الفتاوی:۲۷/۷۹-۹۲ملخصا)

امام ابوشامہ المقدسی الشافعی رحمہ اللہ نے اہل علم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے قبر کی دیوار سے پیٹ یا پیٹھ لگانے سے منع کیا ہے اور اسی طرح قبر کو اپنے ہاتھ سے چھونے سے بھی منع کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ بدعت ہے۔(دیکھئے کتاب الباعث ص۲۸۲)

ابن الحاج رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ جن کے پاس علم نہیں ہے وہ قبر کا ایسے ہی طواف کرتے ہیں جیسے بیت اللہ الحرام کا طواف کیا جاتا ہے، اسے چھوتے ہیں، بوسہ دیتے ہیں، تبرک کے لیے اس پر اپنے کپڑے اور رومال پھینکتے ہیں، یہ سب کچھ بدعت ہے، کیونکہ تبرک تو آپ ﷺ کی اتباع سے ہے، ورنہ جاہلیت کی بت پرستی کا سبب یہی حصول تبرک ہی تھا اور اسی وجہ سے ہمارے علماء نے بیت اللہ کی دیوار یا مسجد کی چار دیواری اور قرآن پاک وغیرہ کو تبرک کی نیت سے چھونے کو مکروہ کہا ہے تاکہ اس سے شرک وبدعت کا یہ دروازہ بند ہو اور سنت کی مخالفت ختم ہو، کیونکہ تعظیم کا انداز اور طریقہ نبی علیہ السلام پر موقوف ہے، آپ ﷺ نے جس چیز کی تعظیم کی ہم بھی اس کی تعظیم کریں گے اور اس میں آپ ﷺ کی اتباع کریں گے۔ (المدخل:۱/۱۸۹)

شیخ محمد بن ابراہیم کا قول ہے کہ ''قبر کا طواف کرنا، اس سے برکت طلب کرنا ایسی چیز ہے جس کے شرک اور حرام ہونے میں کسی عقلمند کو شک نہیں کیونکہ طواف ایک عبادت ہے جیسے اللہ تعالی کے علاوہ کسی کے لیے کرنا شرک ہے، اسی طرح برکت جو اللہ تعالی کے علاوہ کسی سے طلب نہیں کی جاسکتی، لہذا اس کا غیر اللہ سے مانگنا شرک ہے''۔(فتاوی ابن ابراہیم ص۱۲۲)

مذکورہ اقتباسات سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ قبروں کو چھونا، انہیں بوسہ دینا اور ان سے تبرک حاصل کرنا کھلی ہوئی ضلالت وگمراہی ہے۔لہذا کوئی ضعیف اور موضوع روایت ہرگز اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی۔ابتداء اسلام ہی سے یہ تاریخ رہی ہے کہ علماء سوء سیدھے سادے عوام کو گمراہ کرنے، ان کو راہ ہدایت سے ہٹا کر ضلالت پر لا کھڑا کرنے، توحید وسنت کے راستے سے موڑ کر انھیں شرک وبدعات کی راہ دکھانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے ہیں، اس لیے کہ وہ شیطان کے آلۂ کار ہوتے ہیں اور شیطان کا مقصد انسان کو اللہ کے راستے سے ہٹا کر جہنم میں لے جانا ہے۔اللہ ہمیں ہر قسم کے شیطانی حربے اور ہتھکنڈے سے محفوظ رکھے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

حرمین شریفین

بلدِ حرام کے فضائل اوراس کے بعض احکام

(۵) محمد اسلم مبارک پوری

۳-رکن یمانی

یہ خانہ کعبہ کا جنوب مغربی گوشہ ہے۔سنت یہ ہے کہ اس کا صرف استلام کیا جائے، بوسہ نہ دیا جائے۔ نبی ﷺ اسے اپنے مبارک ہاتھوں سے چھوتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں وارد ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو صرف دونوں رکن (یعنی حجر اسود اور رکن یمانی) کے علاوہ کعبہ کو چھوتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔(۱)

اگر بیت اللہ شریف کا طواف کرنے والے کے لیے ہر چکر میں رکن یمانی کا چھونا، اور حجر اسود کا استلام کرنا آسان ہو تو یہ بہت بہتر ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ثابت ہے کہ نبی ﷺ جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو رکن یمانی کو چھوتے، یا راوی حدیث نے یوں کہا کہ: آپ ﷺ ہر طواف میں حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کرتے۔(۲)

۴-ملتزم:

عبدالرحمٰن بن صفوان کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو فتح مکہ میں خانہ کعبہ سے نکلتے ہوئے دیکھا، آپ اور آپ کے اصحاب نے کعبہ کے دروازہ سے لے کر حطیم تک خانہ کعبہ کا استلام کیا۔اور اپنے رخساروں کو کعبہ سے چمٹایا۔اور رسول اللہ ﷺ ان کے وسط میں تھے۔(۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، انہوں نے فرمایا:

(خانہ کعبہ کے) دروازہ اور حجر اسود کے درمیان ملتزم ہے۔(۴)

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الحج باب من لم یستلم الا الرکنین الیمانیین، حدیث نمبر ۱۶۰۹، صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب استلام الرکنین الیمانیین فی الطّواف دون الرکنین الآخرین، حدیث نمبر ۱۲۶۷، بلفظ "یمسح من البیت"۔

(۲) اسے حاکم نے مستدرک (۴۵۶/۱) میں روایت کیا ہے، اور "صحیح" کہا ہے۔ علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ نیز اسے بیہقی نے سنن کبری (۷۶/۵) اور امام احمد نے مسند (۱۸/۲) میں روایت کیا ہے۔اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الصحیحۃ (۱۰۸/۵) میں نقل کیا ہے، اور کہا کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔

(۳) اسے ابوداود نے اپنی سنن (حدیث نمبر ۱۸۹۸) میں روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں ضعف ہے، تاہم اس کی ایک شاہد روایت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ وہ رکن حجر اسود اور بیت اللہ شریف کے دروازہ کے درمیان کھڑے ہوئے، اور اپنا سینہ، بازو اور ہتھیلی کو رکھا، اور خوب پھیلا کر رکھا، پھر فرمایا: میں نے ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔اسے ابوداود (حدیث ۱۸۹۹) اور ابن ماجہ (حدیث نمبر ۲۹۶۲) نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

(۴) مصنف عبدالرزاق (۷۶/۵) اور اس کی سند صحیح ہے، جیسا کہ شیخ البانی نے سلسلہ صحیحہ (۱۷۱/۵) میں ذکر کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر چاہے تو ملتزم یعنی حجر اسود اور باب کعبہ کی درمیانی جگہ پر آئے، اس پر اپنا سینہ، چہرہ، بازو اور ہتھیلی رکھے، اور دعا کرے۔ اللہ تعالی سے اپنی ضروریات مانگے۔ یہ طواف وداع سے پہلے کرنا بھی جائز ہے، کیوں کہ یہ التزام طواف وداع کی حالت میں ہو۔ یا اس کے علاوہ حالت میں ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایسا کرتے تھے جب مکہ میں داخل ہوتے تھے۔ اور اگر چاہے تو اپنی دعا میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ماثورہ دعا بھی پڑھے۔

"اللهم إني عبدك وابن عبدك وابن أمتك، حملتني على ما سخرت لي من خلقك، وسيرتني في بلادك حتى بلغتني بنعمتك إلى بيتك واعنتني على أداء نسكي، فإن كنت رضيت عني فازدد عني رضي، وإلا فمن الآن فارض عني، قبل أن تنأى عن بيتك داري، فهذا أوان انصرافي إن أذنت لي غير مستبدل بك ولا ببيتك، ولا راغب عنك ولا عن بيتك، اللهم فاصحبني العافية في بدني، والصحة في جسمي، والعصمة في ديني، وأحسن منقلبي، وارزقني طاعتك ما أبقيتني، واجمع لي بين خيري الدنيا والآخرة، إنك على كل شيء قدير". (۱)

اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ تو نے مجھے متحمل بنایا ہے اس چیز کا جو تو نے اپنی مخلوق میں سے میرے لیے مسخر کیا ہے۔ اور مجھے اپنے شہر میں چلنے کی توفیق بخشی ہے۔ یہاں تک کہ مجھے اپنی نعمت سے اپنے گھر تک پہنچایا ہے، اور مناسک کی ادائیگی پر میری اعانت کی ہے۔ اگر تو مجھ سے راضی ہے تو رضامندی میں اور اضافہ کر، ورنہ تو ابھی سے مجھ سے راضی ہو جا قبل اس کے کہ تو اپنے گھر سے دور کر کے مجھے میرے گھر پہنچائے۔ اگر تو نے مجھے اجازت دی تو یہ میری واپسی کی گھڑی ہے۔ تیرے اور تیرے گھر کا بدل تلاش کیے بغیر اور تجھ سے اور تیرے گھر سے بے رغبت ہو کر نہیں۔ اے اللہ میرے بدن میں عافیت، اور میرے جسم میں صحت، اور میرے دین میں عصمت میرے ساتھ رہے۔ اے اللہ میری واپسی بہتر بنا۔ جب تک مجھے باحیات رکھا اپنی اطاعت کی توفیق دے۔ دین و دنیا کی بھلائی میرے لیے یکجا کر۔ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

۵-حجر:

حجر- حاء کو زیر، جیم کو جزم کے ساتھ- یہ کعبہ کے شمال میں نصف دائرہ کی شکل میں واقع حصہ ہے۔ ہوا یوں کہ جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو خرچہ کم پڑ گیا۔ اور کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے کم ہوگئی۔ اسی لیے اس کو "حجر" کہا جاتا ہے۔

(۱) فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۱۴۲/۲۶)، یہ دعا امام شافعی سے بھی منقول ہے، جیسا کہ بیہقی نے سنن کبری (۱۶۴/۵) میں تخریج کی ہے، اور کہا کہ: یہ امام شافعی کے قول سے مروی ہے، اور "حسن" ہے۔

امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بیشک تیری قوم نے کعبہ کی تعمیر سے کمی کردی ہے۔ اگر ان کا زمانہ شرک سے قریب نہ ہوتا تو میں اسے بھی شامل کردیتا، جو انہوں نے چھوڑا ہے۔ اگر میرے بعد تیری قوم سے ہو سکے تو اسے بنادیں۔ تو آ، تا کہ تجھے دکھادوں جو ان لوگوں نے چھوڑا ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں تقریباً سات ہاتھ جگہ دکھائی۔(۱)

یہی بیت اللہ شریف کا وہ حصہ ہے جس کی تحدید رسول اللہ ﷺ نے کی ہے۔ اگر چہ آج حجر کے اردگرد تعمیر شدہ حصہ اس تحدید سے کچھ زیادہ ہے، اس لیے اس میں نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ اس حصہ میں نماز پڑھنے کا اہتمام کرے جس کی تحدید حدیث مذکور میں وارد ہے۔

حجر میں نماز پڑھنا کعبہ میں نماز پڑھنے کے مانند ہے۔ کیوں کہ حجر کعبہ ہی کا حصہ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے:

عبدالرزاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں: میں چاہتی تھی کہ بیت اللہ شریف میں داخل ہوں، اور اس میں نماز پڑھوں۔ رسول ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حجر میں داخل کردیا۔ اور مجھ سے کہا: "صلي في الحجر إذا أردت، فإنما هو قطعة من البيت، ولكن قومك استقصروا حين بنوا الكعبة فأخرجوه من البيت" (۲) جب تمہیں کعبہ میں نماز پڑھنے کی خواہش ہو تو حجر میں نماز پڑھ لو، کیوں کہ یہ کعبہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ جب تیری قوم نے کعبہ تعمیر کیا تو اس میں کمی کردی۔ اور اس جگہ کو کعبہ سے باہر کردیا۔

سابقہ بیان کی بنا پر کعبہ کا طواف کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ حجر کے پیچھے سے طواف کرے۔ کیوں کہ یہ کعبہ کا ایک حصہ ہے، جیسا کہ گذر چکا ہے۔

تنبیہ:

مشہور غلطیوں میں سے ایک حجر کو "حجر اسماعیل" کہنا ہے۔ یہ نام صحیح نہیں ہے۔ اور اس سے بڑی غلطی، بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ حضرت اسماعیل اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اسی حجر میں مدفون ہیں۔

۶- مقام ابراہیم:

بیت اللہ الحرام میں کھلی کھلی نشانیوں میں سے مقام ابراہیم بھی ہے۔

آثار میں ہے کہ یہی وہ پتھر ہے جس پر کعبہ کی تعمیر کے وقت ابراہیم خلیل الرحمٰن - علیہ السلام - کھڑے ہوئے تھے، جب کعبہ کی تعمیر کچھ بلند ہوگئی تھی۔ پھر اسی پتھر پر کعبہ کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد لوگوں میں حج کی منادی کرنے کے لیے کھڑے

(۱) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب نقض الکعبۃ وبناؤھا، حدیث نمبر ۹۶۸۔

(۲) اسے امام احمد نے مسند (۹۲/۶) میں، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح (حدیث ۳۰۱۸) میں، اور طحاوی نے شرح معانی الآثار (۳۹۲/۱) میں روایت کیا ہے، اور یہ حدیث قابل تحسین ہے۔

ہوئے تھے۔(۱)

صحیح بخاری کے حوالہ سے کعبہ کی تعمیر کی روایت گذر چکی ہے۔اس روایت میں ہے''اس وقت باپ بیٹے دونوں نے مل کر اس گھر (خانہ کعبہ) کی بنیاد اٹھائی۔اسماعیل پتھر لاتے تھے، اور ابراہیم -علیہما السلام- تعمیر کرتے جاتے تھے۔جب دیواریں اونچی ہوگئیں تو اسماعیل علیہ السلام یہ پتھر لے کر آئے، اور اسے وہاں رکھ دیا۔ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہوکر دیوار اٹھاتے اور اسماعیل پتھر دیتے جاتے اور دونوں یہ دعا پڑھتے جاتے تھے: ﴿ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم﴾ اے ہمارے پروردگار، تو ہم سے اس تعمیر کو قبول کر، بیشک تو سننے والا، جاننے والا ہے۔

اللہ بزرگ وبرتر نے اپنی کتاب (قرآن کریم) میں اس کا ذکر کرکے اسے رفعت بخشی ہے۔اور امن والے حرم میں اسے جملہ آیات بینات میں سے ذکر کیا ہے۔اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿فيه آيات بينات مقام إبراهيم، ومن دخله كان آمنا﴾ (آل عمران: ۹۷) (ترجمہ) اس (خانہ کعبہ) میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔مقام ابراہیم ہے، اس میں جو آجائے امن والا ہوجاتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر طبری -رحمہ اللہ- فرماتے ہیں:

''یقیناً اللہ کا وہ پہلا گھر، جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے، تمام دنیا کے لیے برکت وہدایت والا ہے۔یہ وہی گھر ہے جو مکہ میں ہے جس میں اللہ تعالی کی قدرت سے واضح اور کھلی کھلی نشانیاں ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آثار ہیں۔ انہیں آثار میں سے، اس پتھر پر جس پر آپ (تعمیر کعبہ کے وقت) کھڑے ہوئے تھے، آپ کے قدم کے نشان ہیں''۔(۲)

ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے آثار مقام ابراہیم میں موجود ہیں۔ حرم والوں کے نزدیک معروف ہیں، حتی کہ ابوطالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا ہے:

وموطئ إبراهيم في الصخر رطبة
على قدميه حافيا غير ناعل (۳)

(ترجمہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بغیر جوتا پہنے ہوئے ننگے پاؤں اپنے دونوں قدموں پر کھڑے ہونے کا نشان پتھر میں آج تک برقرار ہے۔

مقام ابراہیم کے بارے میں وارد فضیلتیں درج ذیل ہیں:

---

(۱) شفاء الغرام للفاسی (۲۰۳/۱)۔

(۲) تفسیر ابن جریر طبری ۹/۴۔

(۳) اسے حافظ ابن حجر نے ابن الجوزی کے حوالہ سے فتح الباری (۱۶۹/۸) میں ذکر کیا ہے۔اور اسی کے مانند حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر (۳۸۴/۱) میں ذکر کیا ہے۔

(أ) بیت اللہ شریف کا طواف کرنے والوں کے لیے مقام ابراہیم کو جائے نماز بنانے کا الٰہی حکم:

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾ (البقرۃ: ۱۲۵) (ترجمہ) اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے تین چیزوں میں اللہ کی موافقت کی ہے، یا اللہ تعالی نے تین چیزوں میں میری موافقت کی ہے۔ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ) اگر آپ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ مقرر کرلیں.....الحدیث۔(۱)

طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنا اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے۔ چنانچہ سنن نسائی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ مکہ آئے۔ بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی۔ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ اور فرمایا۔

﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ (یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔(۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کیا۔ پہلے تین چکر میں رمل (یعنی قدم نزدیک رکھتے ہوئے دُلکی چال) کیا، اور بقیہ چار چکروں میں حسب معمول چلے۔ پھر مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہوئے، دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾ (البقرۃ: ۱۲۵) (ترجمہ) اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔

آپ ﷺ نے مقام ابراہیم کو اپنے اور خانہ کعبہ کے درمیان کیا۔(۳)

معلوم ہونا چاہیے کہ جسے بھیڑ کی وجہ سے مقام ابراہیم کے پیچھے طواف کی دو رکعت نماز پڑھنا میسر نہ ہو، اس کے لیے مسجد حرام میں کسی بھی جگہ دو رکعت نماز پڑھنی درست ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی القبلۃ ومن لا یری الإعادۃ علی من سہا فصل الی غیر القبلۃ، حدیث نمبر ۴۰۲۔

(۲) سنن نسائی ۲۲۳/۵، نیز دیکھئے، صحیح بخاری کتاب الصلاۃ غغباب قول اللہ تعالی ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾ حدیث نمبر ۳۹۵، صحیح مسلم کتاب الحج، باب مایلزم من احرم بالحج ثم قدم مکۃ من الطواف والسعی، حدیث نمبر ۱۲۳۴۔

(۳) یہ حدیث نبوی، نبی ﷺ کے حج کی صفت کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کا ٹکڑا ہے۔ اسے امام مسلم نے کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ (حدیث نمبر ۱۲۱۸) میں روایت کیا ہے۔

''طواف کرنے والے پر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کرنا واجب نہیں، بلکہ مشروع ہے۔ جب کسی مشقت کے بغیر موقع ملے۔ اگر ان دو رکعتوں کو مسجد حرام میں کسی جگہ، یا پورے حرم میں کسی جگہ ادا کر لی ہے تو وہ اسے کافی ہے۔ اس کے لیے طواف کرنے والوں کو مقام ابراہیم کے اردگرد ازدحام کرنا مشروع نہیں ہے۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ بھیڑ سے دور رہے اور مسجد حرام کے بقیہ حصہ میں پڑھ لے، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض طواف میں طواف کی دو رکعت مقام ذی طوی میں ادا کی ہے، جو حرم میں ہے، لیکن مسجد حرام سے خارج ہے۔ اور اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے طواف کی دو رکعت مسجد حرام کے باہر پڑھی ہے۔ ممکن ہے اس کا سبب بھیڑ ہو، یا ام سلمہ نے ارادہ کیا ہو کہ اس معاملہ میں لوگوں کے لیے شرعی آسانی کو بیان کر دیں''۔(۱)

مقام ابراہیم کے پاس یہی مشروع اور درست ہے۔ جسے مقام ابراہیم کے پیچھے جگہ ملے، اسے وہاں نماز پڑھنا درست ہے۔ اگر چہ مقام ابراہیم سے دور ہو۔ رہی بات مقام ابراہیم چھونے اور اس سے برکت حاصل کرنے، اور اسے بوسہ دینے کی تو یہ ساری چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، اور نہ ہی اس امت کے لیے مشروع ہے۔ آیت ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾ کی تفسیر میں قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے ''لوگوں کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اسے چھونے کا نہیں''۔(۲)

(ب) مقام ابراہیم ہی حج کے لیے حضرت ابرہیم علیہ السلام کی نداء کی جگہ ہے:

مقام ابراہیم کی فضیلت میں سے یہ بھی ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ عزوجل نے لوگوں میں حج کی نداء کا حکم دیا تا کہ لوگ حج کے لیے بیت اللہ شریف کی طرف تلبیہ پکارتے ہوئے جوق در جوق آئیں جیسا کہ ہمارے پروردگار نے اپنی کتاب کریم میں اسے بیان کیا ہے۔

﴿وأذن في الناس بالحج يأتوك رجالا وعلى كل ضامر يأتين من كل فج عميق﴾ (الحج:۲۷)

(ترجمہ) اور لوگوں میں حج کی منادی کر دے، لوگ تیرے پاس پاپیادہ بھی آئیں گے، اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی، دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے۔

حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن اس مقام پر کھڑے ہوئے۔ اور لوگوں میں منادی کی جیسا کہ اللہ تعالی نے انہیں حکم دیا تھا۔

---

(۱) مجموع مقالات متنوعہ لابن باز: ۲۲۸/۱۸۔

(۲) اسے ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر (۴۲۲/۱) میں قتادہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور ازرقی نے اخبار مکہ (۲۹/۲) میں بھی روایت کیا ہے۔ نیز دیکھئے طرطوشی کی ''الحوادث والبدع'' ص ۱۰۳۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھر پر کھڑے ہوئے۔ اور آواز دی: اے لوگو! تمہارے اوپر حج فرض کیا گیا ہے (لہذا حج کرو) پس انہوں نے سب کو سنا دیا، جو مردوں کی پشتوں، اور عورتوں کے رحموں میں تھے۔ جو ایمان لائے، اور جو لوگ اللہ تعالی کے علم میں پہلے سے تھے۔ قیامت کے دن تک حج کرنے کی دعوت کو قبول کیا۔ "لبيك اللهم لبيك" میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں۔ (۱)

۷- صفا اور مروہ:

صفا اور مروہ اللہ کے عظیم شعائر میں سے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿إن الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت أو اعتمر فلا جناح عليه أن يطوف بهما﴾ (البقرۃ:۱۵۸) (ترجمہ) صفا اور مروہ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہیں، اس لیے بیت اللہ کا حج وعمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے بیان کیا ہے کہ صفا اور مروہ، اور ان کا طواف کرنا اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہیں، یعنی ان چیزوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالی نے مناسک حج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے مشروع کیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں گذر چکا ہے کہ صفا اور مروہ کا طواف دراصل پانی اور زاد سفر ختم ہو جانے کی وجہ سے، حضرت ہاجرہ (علیہا السلام) کا اپنے بچے کے لیے پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان بار ہا دوڑنے اور چکر لگانے کی وجہ سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں (وادی غیر ذی زرع) میں تنہا چھوڑ دیا تو وہاں کوئی آدمی نہ تھا۔ چنانچہ جب وہ (یعنی ہاجرہ) ہلاک وبرباد ہونے سے ڈریں تو اللہ تعالی سے مدد طلب کیا، اور صفا ومروہ کے درمیان چکر لگایا، اور پانی کی تلاش کے لیے اس وادی کو بار بار سر کیا۔ وہ حیران وپریشان، خوف زدہ اور ہراساں تھیں، اور اللہ کی محتاج تھیں تا آں کہ اللہ نے اس پریشانی کو دور کیا، ان کی وحشت کو انسیت سے بدل دیا، اور تنگی کی جگہ کشادگی عطا کیا۔ اور بابرکت پانی زمزم کو جاری کیا۔ لہذا صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے والے کے لیے مناسب ہے کہ وہ اس وقت اپنے دل کی ہدایت، اور گناہوں کی مغفرت اور حالت کی اصلاح کے لیے اللہ کی جانب میں اپنی محتاجگی، کم مائیگی اور ضرورت کو پیش کرے۔ اور اللہ کے حضور گڑگڑائے کہ جو اس میں نقائص وعیوب ہیں، اسے دور کر دے۔ اور اسے صراط مستقیم کی ہدایت دے اور اسے تا مرگ صراط مستقیم پر گامزن رکھے۔ اور گناہ ومعاصی کے جس دلدل میں ہے، اس سے نکال کر کمال ومغفرت، درستگی واستقامت عطا کرے، جیسا کہ حضرت ہاجرہ (علیہا السلام) کے ساتھ کیا ہے۔ (۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کو مشروع قرار دیا ہے، لہذا

(۱) حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۶/۴۰۶) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۲) سابقہ کلام مختصر تصرف (ہیر پھیر) کے ساتھ تفسیر ابن کثیر (۱/۴۳۸) میں مذکور ہے۔

کسی کے لیے ان دونوں کی سعی چھوڑنا جائز نہیں ہے۔(۱) اس لیے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا ان مناسک حج وعمرہ میں سے ہے جن کے بغیر حج وعمرہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔

ضروری ہے کہ سعی کی ابتدا اس جگہ سے کرے جس کا ذکر اللہ نے پہلے کیا ہے۔ یعنی صفا سے شروع کرے اور مروہ کے پاس ختم کرے۔ یوں ایک چکر شمار ہوگا۔ اس طرح سات چکر کرے۔ اور جب بطن وادی کی طرف، جو اس زمانے میں دو سبز نشانوں کے درمیان ہے، رخ کرے تو اس میں تیز قدم چلنا اور دوڑنا مسنون ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے "حتى إذا انصبت قدماه في بطن الوادي سعى، حتى إذا صعدتا مشى"(۲) جب آپ ﷺ کے پائے مبارک بطن وادی میں پڑے تو دوڑے، اور جب آپ بالائی پر چڑھ گئے تو عام چال چلے۔ اور ام ولد شیبہ سے مروی ہے، فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتے ہوئے دیکھا، اس وقت آپ فرمارہے تھے: "لا يقطع الأبطح إلا شدا" (۳) وادیٔ ابطح کو دوڑ کر پار کیا جائے۔

عورتوں پر صفا اور مروہ کی سعی نہیں ہے تاکہ وہ کسی پریشانی یا حرج میں نہ پڑیں۔

پوری صفا پہاڑی پر چڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ کسی ایک کنارے پر خانہ کعبہ کی طرف رخ کرکے کھڑے ہولینا کافی ہے، ایسے ہی مروہ کے پاس بھی، بالخصوص ان اوقات میں جن میں اکثر بھیڑ ہوتی ہے۔

(جاری)

☆☆☆

(۱) اسے امام بخاری نے کتاب الحج، باب وجوب السعی بین الصفا والمروۃ.....حدیث نمبر ۱۶۴۳ میں روایت کیا ہے۔

(۲) اسے امام مسلم نے کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ (حدیث نمبر ۱۲۱۸) میں روایت کیا ہے۔

(۳) اسے ابن ماجہ (حدیث نمبر ۲۹۸۷) نسائی (۲۴۲/۵) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح سنن ابن ماجہ (حدیث نمبر ۲۴۱۹) میں صحیح کہا ہے۔ نیز دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۵۶۴/۵-۵۶۵۔

ادبی گوشہ

ہندوستان میں عربی زبان وادب کا ارتقا، ایک مختصر جائزہ

تحریر: عبدالغفار سلفی، ریسرچ اسکالر، بی.ایچ. یو

برصغیر ہندو پاک میں عربی زبان کے ارتقا کا سفر مساجد میں چلنے والے ان مکاتب سے شروع ہوتا ہے جو اس خطۂ ارضی میں اسلام کی آمد کے وقت سے ہی شروع ہو گئے، یہ مکاتب دراصل مکتب نبوی سے مستفاد تھے، آپ ﷺ بھی مسجد نبوی میں اصحاب صفہ کو دین کی بنیادی تعلیم دیتے تھے، اسی نہج پر برصغیر میں بھی دینی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں آج بھی جاری ہے۔

عربی زبان چونکہ قرآن وحدیث کی زبان ہے جو کہ شریعت اسلامیہ کے مصادر اساسیہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ جیسے جیسے ہندوستان میں اسلام کی تعلیمات عام ہوتی گئیں عربی زبان بھی اپنا ایک خاص مقام بناتی گئی۔ ہندوستانی علماء نے اس ارض عجم کو اسلام سے روشناس کرنے کے بعد سے ہی مختلف پہلوؤں سے قرآن وحدیث پر کام کرنا شروع کر دیا، کسی نے احادیث نبویہ کو اپنی کاوشوں کا مرکز بنایا تو کسی نے قرآن حکیم کی تفسیر اور ترجمہ کی ذمہ داری سنبھالا۔ کچھ نے فقہ واصول فقہ پر کتابیں لکھیں۔ بہت سارے علماء نے عام دینی موضوعات پر کتابیں لکھیں اور اس طرح اس ارض عجم کو عربی زبان سے انسیت حاصل ہوئی اور یہاں کے باشندوں کے درمیان بھی یہ زبان کافی حد تک معروف ومانوس ہونے لگی۔

لیکن عربی زبان کا دائرہ ہندوستان میں علماء، فقہاء اور قضاۃ کے درمیان ہی محدود رہا کیونکہ یہ فارسی کی طرح سرکاری زبان نہیں تھی۔ پھر بھی علماء نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ اس زبان کی خدمت کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان علماء میں امتیازی حیثیت کے حامل امام صغانی یا صاغانی، علی متقی الہندی، محمد طاہر الفتنی، محبّ اللہ بہاری، ملا جونپوری وغیرہ ہیں۔ بعد میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا علمی گھرانہ آیا اور اس پورے خاندان نے علوم دینیہ کی خدمت کے ذریعہ عربی زبان کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد کے ادوار میں علامہ نذیر حسین محدث دہلوی، نواب صدیق حسن خاں قنوجی، مولانا عبدالحئ حسنی، عبدالعزیز میمنی، محمد یوسف سورتی، ابوالحسن علی ندوی اور اخیر میں استاذ محترم ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری وغیرہ جیسے علماء نے اپنی تصانیف کے ذریعہ عربی زبان وادب کی ترویج وارتقا میں اہم رول ادا کیا۔

جہاں تک خاص لغت اور ادب کے میدان کی بات ہے تو اس میدان میں ہندوستانی علماء کی کاوشوں کا دائرہ محدود تھا۔ ابتدائی تین ہجری صدیوں میں جب سندھ کا علاقہ محمد بن قاسم کی فتح کے بعد عربی حکومت کے زیر سایہ تھا اس وقت تک عربی زبان کو کافی اہمیت حاصل تھی جو عربی حکومت کے زوال کے بعد باقی نہ رہی۔ حکومت پہلے ترکوں کے ہاتھ میں اور پھر مغلوں کے ہاتھ میں آئی اور بدلتے سیاسی حالات کی وجہ سے اور پھر ترکوں کے ذریعہ برصغیر میں فارسی زبان وادب کو خاص اہمیت دینے کے سبب عربی زبان کے ارتقا کی رفتار تھوڑی سست ضرور پڑ گئی لیکن علماء کی محنتوں کی وجہ سے وہ ترقی کے مدارج کشاں کشاں طے کرتی رہی۔ ان

علماء نے عربی زبان میں نمایاں اور قابل فخر یادگاریں چھوڑیں۔

جب مغل سلطنت کا دور آیا تو مسلمان ترقی کی معراج پر پہنچ گئے، ہندوستان کی شہرت چہار دانگ عالم میں جا پہنچی حتیٰ کہ بعض مورخین اور باحثین کے مطابق ہندوستان اس وقت روئے زمین کا سب سے خوشحال ملک تھا۔اس دور میں علماء کے علاوہ محدثین، فقہاء اور فلاسفہ کی ایک بڑی تعداد تھی جنہوں نے ادبی اور لغوی اعتبار سے عربی زبان کے حوالے سے کافی کام کیا۔جلال الدین اکبر کے خاص درباریوں میں سے ایک ابوالفیض فیضی نے ''سواطع الإلهام'' کے نام سے قرآن کی غیر منقوط کی تفسیر لکھی۔قطب الدین لاہوری نے''الإعلام بأعلام بيت الله الحرام''لکھی۔انہوں نے فن معمیٰ پر عربی زبان میں پہلی بار ایک کتاب ''كنز الأسمى في فن المعمى'' کے نام سے لکھی۔اس دور کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس دور کی کتابوں میں منطق اور فلسفہ کا رنگ غالب تھا اور اس کی وجہ اس دور کے علماء کا ایران سے آنے والے علماء کے افکار ونظریات سے متاثر ہونا تھا۔اس دور کے علماء میں علامہ محمود جونپوری ہیں جو''الشمس البازغة'' کے مصنف ہیں، عضد الدین یحییٰ ہیں جو ''الفوائد شرح فرائد الغياثية'' کے مصنف ہیں، شاعر وادیب علی ن احمد بن معصوم دشتکی ہیں جو''سلافة العصر في محاسن الشعراء'' کے مؤلف ہیں۔اس دور میں ہندوستان کے جنوبی علاقے میں حجاز اور یمن سے عرب علماء کی آمد کا سلسلہ بھی جاری رہا۔(۱)

مغل سلطنت کی دو صدیاں گزر جانے کے بعد جب تیسری صدی آئی تو سیاسی حالات بدلنے لگے، آپسی رنجشیں ظاہر ہونے لگیں۔انگریزوں نے ان حالات کا بخوبی فائدہ اٹھایا اور اپنی مکاریوں اور عیاریوں اور بعض امراء کی نااہلی اور غداری کے سبب حکومت پر پوری طرح سے حاوی ہو گئے۔ بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں بغاوت کی تحریک اٹھی، جدید اسلحوں سے لیس انگریزوں کے سامنے یہ تحریک زیادہ عرصے تک ٹھہر نہ سکی، بہادر شاہ کو اپنی بیوی کے ساتھ برما جلاوطن ہونا پڑا۔تعجب یہ ہے کہ ان خونچکاں حالات میں جب کہ پورا معاشرہ ہر اعتبار سے فساد، انتشار اور تشتت کا شکار تھا، ہندوستان میں بہت سارے ایسے علماء منظر عام پر آئے جو اپنے فن پاروں سے عربی زبان وادب کے چمن کی آبیاری کرتے رہے۔ان علماء میں علامہ محمد علی فاروقی تھانوی ہیں جنہوں نے''كشاف إصطلاحات الفنون'' جیسی کتاب لکھی جو آج بھی عرب دنیا میں بطور ریفرینس بک کے پڑھی جاتی ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے''حجة الله البالغة'' جیسی شہرۂ آفاق کتاب لکھی۔اسی دور میں ابوبکر محسن بن محسن نے مقامات حریری کے طرز پر''مقامات الهندي''لکھی۔غلام علی آزاد بلگرامی جیسے شاعر اور باقر بن مرتضی مدراسی جیسے ادیب بھی اسی دور میں آئے۔(۲)

دور استعمار میں عربی زبان:

دور استعمار میں حالات بدل گئے، انگریزوں کی پوری کوشش تھی کہ ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کا جال بچھا دیں اور بالخصوص مسلمانوں کے ان کے دین وعقیدے سے دور کر دیں۔انگریزوں نے اپنے ناپاک مقصد کی تکمیل کے لیے پورے ملک

(۱)اللغة العربية وآدابها في شبه القارة الهندية الباكستانية عبر القرون، ڈاکٹر رضوان علی ندوی،ص:۲۱۲۔۲۱۵۔

(۲)المصدر السابق، ص:۲۶۹،۲۷۰۔

میں مختلف اسکول اور کالج کھولے جن کا بنیادی مقصد مسلم طلبہ کو اپنی ثقافت میں رنگنا اور اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور کرنا تھا۔ ایسے نازک وقت میں علماء نے اپنی ذمہ داری کو سمجھا اور پورے ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کا جال بچھا دیا۔ دلی میں شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی مسند تدریس بچھا کر بیٹھ گئے، دارالحدیث جامعہ رحمانیہ جیسی دینی وعلمی درسگاہ قائم ہوئی، دیوبند میں مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اور پھر جیسے پورے ملک میں مدارس کا جال بچھ گیا۔ ان مدارس نے ایک طرف جہاں ایک ایسی نسل کو تیار کرنے کا کام کیا جو ظاہر کے ساتھ ساتھ فکری اور ذہنی اعتبار سے بھی اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہو تو دوسری طرف ان مدارس نے عربی زبان کی ترویج وارتقا میں غیر معمولی کارنامہ انجام دیا۔ بالخصوص دارالعلوم ندوۃ العلماء اسی مقصد کے تحت قائم ہوا کہ عرب کے ساتھ عجم کے روابط استوار ہوں اور ہندوستانی طلبہ بھی عربی زبان وادب کے میدان میں اپنے عرب ہم عصروں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکیں۔ بعد میں جامعہ سلفیہ، بنارس کا قیام بھی انہی بنیادوں پر ہوا اور ان سارے اداروں نے اپنی ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔ ان مدارس میں آج بھی قرآن وحدیث کو شریعت اسلامیہ کے مصدر اساسی کے طور پر پڑھایا جاتا ہے، عربی زبان وادب کی خصوصی تعلیم دی جاتی ہے اور دیگر دینی اور سماجی علوم سے طلبہ کو بہرہ ور کیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں عربی صحافت:

ہندوستان میں عربی صحافت کا ظہور انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں ہوا جب اکتوبر ۱۸۷۱ء میں لاہور سے برصغیر کا پہلا عربی اخبار ''النفع العظيم لأهل هذا الإقليم'' جاری ہوا۔ لاہور اور اس کے اطراف میں عربی زبان کی نشر واشاعت میں اس اخبار نے اہم رول ادا کیا۔ اس اخبار کے بعد ایک عربی مجلّہ ''البيان'' کے نام سے ۱۹۰۳ء میں نکلنا شروع ہوا جسے برصغیر کے علاوہ بلاد عربیہ کے علمی وادبی حلقوں میں پذیرائی ملی۔ ۱۹۳۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کے زیر نگرانی اخبار ''الجامعة'' شروع ہوا۔ مولانا مسعود عالم ندوی نے ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے ''الضياء'' شروع کیا۔ ۱۹۵۰ء میں حکومتی سطح پر ''ثقافة الهند'' کا اجراء عمل میں آیا۔ ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے مجلّہ ''البعث الإسلامي'' شروع ہوا جس کی بنیاد مولانا محمد حسنی نے رکھی۔ ۱۹۶۸ء سے جامعہ سلفیہ بنارس سے ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری کے زیر اشراف مجلّہ ''صوت الأمة'' شروع ہوا۔ ان تمام رسائل وجرائد نے ہندوستان میں نہ صرف عربی صحافت کی جڑوں کو مضبوط کیا بلکہ عربی زبان کو ایک مضبوط پلیٹ فارم عطا کیا۔

حاصل کلام:

سابقہ سطور میں ہم نے دیکھا کہ ہندوستان میں عربی زبان نے کس طرح بتدریج ارتقا کے مدارج طے کیے اور بالآخر اپنا ایک خاص مقام بنالیا۔ اس پر ضعف واضمحلال تو طاری ہوا لیکن ایسا جب بھی ہوا علماء اسلام نے اپنی کاوشوں سے اسے ایک نئی زندگی عطا کی۔ آج بھی ہندوستان میں عربی زبان دن بدن ارتقا کے مدارج طے کر رہی ہے۔ خاص طور سے جب ہندوستان کے بہت سارے افراد خلیجی ممالک میں کسب معاش کے لیے جانے لگے تو یہ زبان برصغیر میں بھی روزی روٹی سے جڑ گئی اور ہر پہلو سے اس پر کام ہونے لگا۔ مدارس اسلامیہ کے طلبہ اور اساتذہ تو اسے پڑھ اور پڑھا ہی رہے ہیں کالجز اور یونیورسٹیز میں بھی یہ زبان باضابطہ ایک مادے کی حیثیت سے پڑھائی جارہی ہے، اس پر تحقیقی کام ہو رہے ہیں اور عربی زبان وادب پر بھی ڈگریاں ایوارڈ ہو رہی ہیں۔ ان سب کو دیکھتے ہوئے یہ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ہندوستان میں عربی زبان وادب کا مستقبل بہت تابناک ہے۔ ☆☆

عبادات (قسط:۳)

نماز باجماعت کے فوائد

تحریر: الشیخ ابوعبداللہ مسند بن محسن القحطانی ترجمہ: محبوب عالم سمیع اللہ مدنی

نماز میں صفیں سیدھی کرکے ثواب جزیل یعنی جنت میں ایک گھر کا حصول:

نماز باجماعت کے باعث مسلمان آدمی صفوں کو درست وسیدھی کرنے کا اہتمام کرتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم فرمایا ہے، لہذا وہ کسی صف کو جوڑتا ہے، تو کہیں خالی جگہ کو پر کرتا ہے، اور اس کا اللہ تعالی کے نزدیک بہت بڑا فضل اور بھرپور ثواب ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: (جو لوگ صفوں کو جوڑتے ہیں، اللہ تعالی ان پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے دعاء رحمت ومغفرت کرتے ہیں)۔ احمد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، صحیح الترغیب والترھیب: ۵۰۱)

نیز اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: (جس نے صفوں کے درمیان پائے جانے والے کسی شگاف کو پر کیا، تو اللہ تعالی اس کو ایک درجہ بلندی عطا فرماتا ہے اور اس کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر کرتا ہے)۔ (صحیح الترغیب والترھیب: ۵۰۵)

جماعت کا اجر وثواب حاصل ہوجاتا ہے، خواہ جماعت فوت ہی کیوں نہ ہوجائے:

جماعت کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص جماعت کے لیے (مسجد میں) حاضر ہوتا ہے تو جماعت کے ذریعہ حاصل ہونے والا اجر وثواب اس کو بھی حاصل ہوجاتا ہے، خواہ وہ لوگوں کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہی کیوں نہ پائے یعنی اس کی جماعت چھوٹ ہی کیوں نہ جائے۔

امام احمد وابوداود ونسائی ؒ نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: (جس نے اچھی طرح سے وضو کیا پھر (مسجد کی طرف) چلا اور لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ نماز سے فارغ ہوچکے ہیں، تو اسے بھی اللہ تعالی اتنا ہی اجر دے گا جتنا نماز پڑھنے والے اور جماعت پاجانے والے کو ملے گا، حالانکہ یہ جماعت پانے والے لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کرے گا)۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ ثواب اس شخص کے لیے ہے جو کسی عذر شرعی کے سبب جماعت سے پیچھے رہ گیا ہو، اسی لیے امام ابوداود ؒ نے اپنی سنن میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے لیے باب باندھتے ہوئے کہا ہے: بیان ہے اس شخص کے بارے میں جو نماز کے ارادے سے نکلا مگر مسبوق ہوگیا (یعنی پیچھے رہ گیا)

جماعت کے ذریعہ نماز کی تکمیل ہوتی ہے:

جماعت، نماز کے کمال وتمام اور اس میں بھول چوک سے بچنے کا ذریعہ ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے: (کہ امام ضامن (یعنی گارنٹر اور ذمہ دار) ہے اور موذن امین ہے، اے اللہ ائمہ کی رہنمائی فرما اور موذنوں کی مغفرت فرما)۔ (ابوداود، ترمذی، دیکھئے: صحیح الجامع، حدیث نمبر: ۲۷۸۷)

علماء کرام نے امام ضامن کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ امام مقتدیوں کی نماز کی تکمیل کا ذمہ دار ہے۔ (دیکھئے: عون المعبود: ۱۵۲/۲)

یہ جماعت کی برکت ہے برخلاف تنہا نماز پڑھنے والے شخص کے کہ اگر اس سے سہو ہو جائے تو کوئی دوسرا اس کی اصلاح نہیں کرتا۔

حسن بصریؒ نے فرمایا: زندگی میں تین چیزوں کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہا.....، -انہیں میں سے ایک کا ذکر یوں کیا- جماعت کے ساتھ نماز جو اس نماز کے بھول چوک کی تلافی کرے اور اس کے اجر کو واجب کرے۔ (تاریخ بغداد: ۹۹/۶)

نماز باجماعت کے ذریعہ سب سے افضل عمل کا حصول:

نماز باجماعت کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ یہ اول وقت میں یا کم از کم اپنے مناسب وقت میں نمازوں کی ادائیگی کے لیے مددگار ہے، اور اول وقت میں نماز کی ادائیگی اللہ تعالی کے نزدیک سب سے افضل اعمال میں سے ہے۔

امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے ام فروہؓ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اول وقت میں نمازوں کی ادائیگی۔

امام مسلمؒ کی ایک روایت میں ہے کہ: (سب سے افضل عمل اپنے مناسب اوقات میں نمازوں کی ادائیگی اور والدین کے ساتھ حسن سلوک)۔ (دیکھئے: صحیح الجامع: ۱۰۹۳-۱۰۹۴)

اسی طرح سے نماز باجماعت، مسلمان آدمی کو نماز میں سستی کرنے، اس سے غافل ہو جانے یا بھول جانے یا اس کے افضل وقت سے تاخیر کرنے سے محفوظ رکھتی ہے، بلکہ بہت سے بے نمازیوں کی نماز سے دوری کا ابتدائی مرحلہ یہی ہوتا کہ وہ نماز باجماعت کو چھوڑنا شروع کرتے ہیں اور پھر انجام کار نماز کو مکمل ترک کر دیتے ہیں۔ لہذا یہ ہمارے اوپر اللہ کی بہت بڑی رحمت اور مہربانی ہے کہ اس نے ہمارے لیے پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی جماعت کے ساتھ مشروع قرار دی۔

جو لوگ نماز میں غفلت ولاپرواہی کرتے ہیں، اسے صحیح وقت سے تاخیر کر کے ادا کرتے ہیں، اللہ تعالی نے ان کے لیے بڑی وعید نازل فرمائی ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون، الذين هم يرآؤون، ويمنعون الماعون﴾ ترجمہ: (ویل (یعنی جہنم کے اندر ایک وادی یا ہلاکت وبربادی) ہے ان نمازیوں کے لیے، جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں، جو لوگ ریاکاری کرتے ہیں، اور چھوٹی موٹی چیزیں بھی دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ (سورۃ الماعون: ۴-۷)

مسجدوں کو آباد کرنے والوں سے رب تعالی خوش ہوتا ہے، ان کو اپنے قریب رکھتا اور ان کی تکریم کرتا ہے:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: کسی بھی آدمی نے مسجد کو اپنا ٹھکانا نہیں بنایا کہ اس میں نماز پڑھے اور اللہ کا ذکر کرے،

مگر اللہ تعالی کو اس سے بے انتہا مسرت ہوتی ہے جیسے کہ مسافر کے گھر والے مسرت وشادمانی محسوس کرتے ہیں جب وہ اپنے سفر سے واپس آکر ان سے ملتا ہے۔(ابن خزیمہ، ابن ماجہ اور ابن حبان وحاکم، صحیح الترغیب والترھیب: ۳۲۷)

علماء کرام کا کہنا ہے کہ اللہ تعالی کا اپنے بندے کو خوش آمدید کہنا، اس کو اپنے قرب سے نوازنا اور اس کی عزت وتکریم فرمانا ہے۔

نماز باجماعت کے ذریعہ غفلت سے نجات ملتی ہے:

نماز باجماعت کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ غفلت سے نجات بھی ہے۔

چنانچہ امام ابن ماجہ نے ابن عباس اور ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ان دونوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ جماعتوں کو ترک کرنے سے لازمی طور سے باز آجائیں ورنہ اللہ تعالی ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ لامحالہ غافلوں میں سے ہوکر رہ جائیں گے۔(صحیح سنن ابن ماجہ: ۶۴۶)

باجماعت نماز پڑھنے والے کو ایسی دعا کرنے کا موقع ملتا ہے جو بارگاہ الہی میں شرف قبولیت پاتی ہے:

ہماری زندگی میں بہت سے ایسے اوقات ہیں جن میں دعائیں شرف قبولیت پاتی ہیں بلکہ کچھ اوقات تو ایسے بھی ہیں کہ ان میں دعائیں رد ہوتی ہی نہیں ہیں، انہیں قیمتی اوقات اور سنہرے مواقع میں سے اذان واقامت کے درمیان کا وقت بھی ہے۔

اس قیمتی وقت کے استعمال کے لیے سب سے اہم اسباب میں سے جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی ہے۔ کیونکہ غالبا جماعت کی پابندی واہتمام کرنے والا مسلمان اقامت سے قبل ہی مسجد میں پہنچ جاتا ہے اور ذکر ودعا میں مشغول ہوجاتا ہے برخلاف اکیلے نماز پڑھنے والے کے کہ وہ اس قیمتی لمحہ کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ (اذان واقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی)۔(ابوداود، ترمذی اور نسائی وغیرہ، دیکھئے صحیح الجامع: ۳۴۰۸)

اسی طرح مبارک دعاؤں میں سے وہ دعائیں بھی ہیں جو جماعت کے لیے آنے والا مسلمان آدمی مسجد میں داخل ہوتے یا اس سے نکلتے وقت پڑھتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے (جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے: (اللهم افتح لي أبواب رحمتك) ترجمہ: اے اللہ تو میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب نکلے تو یہ دعا پڑھے: (اللهم إني أسألك من فضلك) ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں)۔(مسلم: دیکھئے: مختصر صحیح مسلم: ۲۴۷)

نماز باجماعت کے ذریعہ آپس میں الفت ومحبت اور مساوات کا جذبہ پیدا ہوتا ہے:

مومنوں کے دلوں میں آپس میں ایک دوسرے کے لیے الفت ومحبت کے جذبوں کو فروغ دینا، نیز ان کے درمیان مودت ومساوات کو باقی رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا، اسلام کے عظیم مقاصد کا حصہ ہیں۔ اور نماز باجماعت کے اندر یہ چیز پائی جاتی ہے جب سارے نمازی ایک ہی صف میں کھڑے ہوجاتے ہیں، بالکل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے، برابری کے ساتھ ان کے درمیان آپس میں کسی طرح کا کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے صفوں کی درستگی پر بڑا ہی زور دیا ہے، ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ یہ دلوں کے ملنے کے

اسباب میں سے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ تم صفوں میں اختلاف نہ کرو یعنی آگے پیچھے ہو کر اور بیچ میں جگہ چھوڑ کر کھڑے نہ ہو، کیونکہ اس سے تمہارے دلوں کے اندر اختلاف پیدا ہو جائے گا، یعنی تمہارے دلوں سے آپسی محبت اٹھ جائے گی اور اتحاد و اتفاق ختم ہو جائے گا۔ (مسلم، مختصر صحیح مسلم: ۲۶۷)

نماز باجماعت سنن مؤکدہ اوراذکار کی پابندی کا ذریعہ ہے:

نماز باجماعت کے فوائد میں یہ بھی ہے کہ یہ غالبا پنج وقتہ نمازوں کے ساتھ ہی ساتھ نوافل و سنن رواتب اوراذکار کی پابندی کے ساتھ ادائیگی کرنے پر معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے، اور مساجد کے اندر اس بات کا واضح طور پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، برخلاف تنہا نماز ادا کرنے والوں کے، کیونکہ اکثر ان سے ان چیزوں میں کوتاہی ہو ہی جایا کرتی ہے جن کی بڑی فضیلت اور اجر عظیم ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ ایسا کوئی مسلمان بندہ نہیں جو اللہ تعالی کے لیے روزانہ بارہ رکعت نماز، فرض کے علاوہ نفل پڑھتا ہو مگر اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر کرتا ہے- یا- مگر اس کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر کیا جاتا ہے۔ (امام مسلم، ابوداود، نسائی، ترمذی نے روایت کی ہے) نیز امام ترمذی نے یہ زیادتی کی ہے کہ چار رکعت ظہر سے قبل اور دو اس کے بعد، اور دو رکعت مغرب کے بعد، اور دو رکعت عشاء کے بعد، اور دو رکعت نماز فجر سے پہلے۔ (صحیح الترغیب والترھیب: ۵۷۹)

باجماعت نماز ادا کرنے کا فائدہ، مسائل واحکام نماز سے واقفیت ہوتی ہے:

باجماعت نماز کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نماز کا طریقہ سیکھنے، نیز اس کے احکام کی معرفت حاصل کرنے کا ایک عظیم موقع ہے، اور یہ چیز نمازیوں کے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنے، یا مسجد کے اندر منعقد کئے جانے والے بعض دروس کے سننے، یا مساجد کے اندر کیفیت نماز کے متعلق آویزاں کیے گئے بعض اوراق کے پڑھنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اسی طرح سے نماز باجماعت ایک بہترین موقع ہوتا ہے کہ امام کی قرأت غور سے سن کر صحیح قرأت کی معرفت حاصل کر سکے اور تجوید کے احکام سیکھ لے، مگر تنہا نماز پڑھنے والے کو ان چیزوں میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

باجماعت نماز ادا کرنے سے نظام کی پابندی کی عادت اور نفس پر کنٹرول حاصل ہوتا ہے:

نماز باجماعت کے فائدوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ نظام کی پابندی اور نفس پر کنٹرول حاصل کرنے کی تعلیم دیتی ہے، اور وہ اس طرح کہ مقتدی اپنی نماز کے تمام امور میں تکبیرات میں، نماز میں ہر طرح کی نقل و حرکت میں، امام سے آگے نہ بڑھنے یا اس سے پیچھے نہ رہ جانے میں، اس کی موافقت نہ کرنے یا اس سے سبقت نہ لے جانے میں امام کی اتباع کا پابند ہوتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ اس بات کی بڑی ہی تاکید فرمائی ہے، امام بنایا ہی اس لیے گیا ہے کہ اس کی اقتداء واتباع کی جائے، لہذا اس سے اختلاف نہ کرنا، جب اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب رکوع کرے تو رکوع کرو، اور وہ جب "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم لوگ "ربنا لك الحمد" کہو، اور جب سجدہ کرے تو سجدہ کرو، اور جب وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ (متفق علیہ، اللؤلؤ والمرجان: ۲۳۴)

(جاری)

☆☆☆

وفیات

خازن جامعہ سلفیہ جناب عبداللطیف صاحب کی وفات

جامعہ سلفیہ کے خازن اورانجمن جامعہ رحمانیہ کے صدر جناب عبداللطیف صاحب ۳/فروری ۲۰۱۵ء بروز منگل بوقت صبح سات بجے اس دارفانی سے رخصت ہوگئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

آپ صدر جامعہ سلفیہ مولانا شاہد جنید سلفی صاحب کے خسر، حافظ عبدالعزیز صاحب کے چھوٹے بھائی، ناظم اعلی جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود صاحب کے ماموں، جامعہ سلفیہ کے بانیان مولانا عبدالاحد صاحب کے صاحبزدہ اور مولانا عبدالمتین صاحب کے داماد تھے۔اس لیے جامعہ سے آپ کا تعلق فطری تھا۔

ابتدائی تعلیم مدرسہ جامعہ رحمانیہ میں حاصل کی اور بنارس ہندو یونیورسٹی سے بی اے کیا۔تعلیم کے بعد آبائی پیشہ سے منسلک ہوگئے اور بنارسی ساڑی کی تجارت میں بھائیوں کا ہاتھ بٹانے لگے۔تجارت کے مقصد سے دور دراز کا سفر بھی کرتے تھے۔

نماز پنج گانہ کی امامت ایک عظیم ذمہ داری ہے۔سارے مشاغل کو چھوڑ کر وقت پر مسجد میں حاضر ہونا اور امامت فرمانا اس دور میں آسان کام نہیں ہے مگر اللہ کی خاص توفیق آپ کے شامل حال تھی کہ تقریبا پندرہ سولہ سال تک بہت ہی پابندی کے ساتھ آپ نے مسجد اہل حدیث طیب شاہ کی امامت کی ذمہ داری کو نبھایا۔آپ اذان سے پہلے یا اذان ہونے کے ساتھ ہی مسجد میں تشریف لاتے اور کبھی کبھی فجر کی اذان کے لیے اگر موذن کی نیند وقت پر نہ کھلتی تو آپ آکر ان کو جگادیتے۔

آپ تہجد گزار تھے اور جمعہ کا بھی خاص اہتمام کرتے تھے،عموما ۱۱/بجے ہی مسجد میں آجایا کرتے اور ذکرواذکار وتلاوت میں مصروف رہتے تھے، گھر والوں کی بھی اس بات کی تاکید کرتے کہ جمعہ کے دن کاروباری کام کاج جمعہ کے بعد انجام دیا جائے اور صبح جمعہ کی تیاری کی جائے۔

علم اور علماء نواز تھے۔ جامعہ سلفیہ کے اساتذہ سے آپ کے خاص روابط تھے۔مولانا محمد رئیس ندوی صاحب کے بڑے قدردان تھے اور وہ اپنی بیماری کے دنوں میں بھی آپ کے گھر پر آیا کرتے تھے۔مولانا عبدالسلام صاحب مدنی سے آپ کے دوستانہ مراسم تھے اور جامعہ سلفیہ کے اوائل فارغین ڈاکٹر وصی اللہ صاحب (مکہ مکرمہ)اور شیخ عبدالقدوس صاحب (ریاض) وڈاکٹر عبدالعلیم بستوی صاحب (مکہ مکرمہ) سے بھی آپ کے روابط تھے۔آپ مہمان نواز اور فیاض بھی تھے۔مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب سے آپ کا گہرا تعلق تھا،مولانا بنارس آتے تو آپ کے گھر پر ہی قیام فرماتے۔

ملک کی راجدھانی دہلی میں مولانا نے جب ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کے نام سے ۱۹۸۰ء میں ادارہ قائم کیا تو آپ اس ادارہ کے خاص ممبران میں سے تھے، ۱۹۹۸ء تک آپ اس کی مجلس عاملہ کے ممبر رہے اور تاحیات اس کی مجلس شوری کے رکن رہے، اور آپ نے ادارہ کے لیے مولانا کے ہمراہ ۱۹۸۵ء میں بیرون ہند کا سفر بھی کیا تھا۔

چونکہ اللہ نے آپ کو کئی بڑے جید علماء کی صحبت نصیب فرمائی تھی، اس لیے آپ کو دینی مسائل کا خوب علم تھا اور آپ سختی کے ساتھ ان پر عمل کی تاکید بھی کرتے تھے، تصویر کشی کے سخت خلاف تھے اور بڑی بے باکی کے ساتھ مجلسوں میں اس کی مخالفت بھی کیا کرتے، کھڑے ہوکر کھانے پینے کو سخت ناپسند کرتے تھے، اسی طرح بائیں ہاتھ سے کھانے پینے پر فوراً ٹوک دیتے۔

آپ اس بات کی تاکید کرتے کہ کمرہ میں سلام کرکے داخل ہوں۔ جب کسی نومولود کا نام رکھنے کا موقع آتا تو خالص اسلامی نام رکھنے کی تاکید کرتے اور کہتے کہ سب سے اچھا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے۔

امامت کی وجہ سے آپ کو قرآن کریم کی بہت سی سورتیں یاد تھیں، جہری نمازوں میں عموماً مسنون سورتیں ہی پڑھا کرتے، آپ کے پڑھنے کا انداز بھی منفرد تھا۔ جامعہ سلفیہ کی مجلس منتظمہ نے جناب محمد یونس صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد آپ کو خازن منتخب کیا اور آپ تاحیات اس منصب پر فائز رہے، نیز انجمن جامعہ رحمانیہ کے نائب صدر تھے، پھر مولانا محمد یحییٰ صاحب کے انتقال کے بعد صدر انجمن جامعہ رحمانیہ ۸/ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو آپ اس کے صدر منتخب ہوئے اور تاحیات اس کے صدر رہے۔

آپ شگفتہ مزاج تھے۔ اپنے ملنے جلنے والوں سے مذاق کرتے۔ جب آپ روبصحت تھے جامعہ سلفیہ کی میٹنگوں میں شرکت کرتے اور بے باکی کے ساتھ اپنی رائے رکھتے اور آپ کی رائے کا احترام کیا جاتا۔ جامعہ سلفیہ کی ایک میٹنگ میں جب یہ تجویز زیر بحث آئی کہ طلبہ سے ماہانہ فیس لی جائے تو آپ نے کھل کر اس کی مخالفت کی۔

جامعہ سلفیہ کے موجودہ اساتذہ کو بھی آپ عزیز رکھتے، خصوصاً مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی سے بڑے تپاک سے ملتے تھے۔

آپ نے ۷۹ سال عمر پائی۔ نماز جنازہ مولانا احسن جمیل مدنی صاحب نے پڑھائی اور آبائی قبرستان سگرا کے باغ میں دفن کئے گئے۔

جامعہ سلفیہ کے اساتذہ وطلبہ اور اعزہ ومتعلقین کی بڑی تعداد جنازہ میں شریک تھی۔ اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه.

☆☆☆

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ بنارس میں رواداری اور امن وشانتی کے قیام کے لیے بین المذاہب اجتماع

۱۵ر فروری ۲۰۱۵ء بروز اتوار جامعہ سلفیہ بنارس کے سیمینار ہال میں ایک بین المذاہب اجتماع منعقد کیا گیا جس میں ملک وبیرون ملک کے مذہبی نمائندوں نے شرکت فرمائی۔ پروگرام کی صدارت مولانا مفتی عبدالباطن نعمانی امام شاہی مسجد گیان واپی بنارس نے فرمائی۔

پروگرام کا آغاز جامعہ کے طالب علم دانش جمال کی تلاوت سے ہوا۔ تلاوت کی گئی آیات کا ترجمہ ناظم جلسہ شیخ اسعد اعظمی نے پیش کیا۔ اس کے بعد صدر جلسہ مفتی عبدالباطن صاحب نے خطاب فرمایا، جس میں آپ نے ذمہ داران جامعہ سلفیہ کو اس پروگرام کے انعقاد پر مبارکباد پیش کیا، اس پروگرام کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا، نیز ملک اور دنیا میں بقائے امن کے لیے اہل مذاہب کی ذمہ داری اور اہمیت کو بتلایا، اور یہ واضح کیا کہ دنیا کے تمام مذاہب اپنے ماننے والوں کو امن وسکون قائم رکھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ آپ نے دعائیہ کلمات پر اپنی گفتگو پوری فرمائی۔

پروفیسر وشمبھر ناتھ مشرا، مہنت سنکٹ موچن مندر بنارس نے اپنے مختصر خطاب میں ملک کی ترقی کے لیے امن وسکون کی اہمیت کو بتلایا۔ آپ نے واضح لفظوں میں فرمایا کہ جو کسی مذہب کو نہیں مانتا امن وامان کے لیے خطرہ وہی بنتا ہے۔ مختلف مذاہب کو ماننے والے باہم کیسے زندگی گزاریں اس کا بہترین ماڈل یہ گنگا جمنی شہر ہے جس کو یہ سیکھنا ہو اس شہر میں آکر سیکھے۔ آپ نے جامعہ سلفیہ میں آنے پر خوشی کا اظہار کیا۔

اس کے بعد فادر پال امین نے اسلام اور نصرانیت کے درمیان بعض مشترک چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے واضح کیا کہ ان دونوں مذاہب کے ماننے والے امن کے پیغامبر ہیں اور دنیا میں امن کے قیام کے لیے ان کی کوششیں جاری ہیں۔

گائتری سماج کے نمائندہ ڈاکٹر روہت گپتا نے مزاحیہ انداز میں حاضرین کو خطاب فرمایا،، زبان اور نظر کی درستگی کو سب سے ضروری قرار دیا اور کہا کہ محبت کی نظر اور محبت کی زبان سے سماج میں محبت اور شانتی پیدا ہوگی۔ بحیثیت انسان سب ایک ہیں، سب کا دکھ اور درد ایک ہے۔ سب کے مسائل مشترک ہیں۔ اس لیے ہم دوسروں کے دکھ کو سمجھیں اور سماج کو بانٹنے کا کام نہ کریں۔ آپ نے اس پروگرام کے انعقاد پر جامعہ سلفیہ کا شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد ویٹیکن سٹی روم کے نمائندہ فادر اندونیل کودتواٹو (سری لنکا) نے اپنے خطاب میں ہندوستان کے کلیسائی نظام کی تعریف کی کہ بین المذاہب مکالمے کو فروغ دینے میں اس کا بہت اہم کردار رہا ہے، خاص طور سے مسلم عیسائی تعاون اس کی کامیابی کی دلیل ہے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ میٹنگ اس لیے بھی خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ ہندوستان کے مختلف مذاہب کے ساتھ مل کر ہم ویٹیکن کے دستاویز ''نوسترا ایتاتے'' کی پچاسویں سالگرہ بھی منا رہے ہیں۔ یہ دستاویز

مختلف مذاہب فکر کے لوگوں کے مابین دوستی وخیر سگالی کے رشتے استوار کرنے کی سمت ایک رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے بیان میں یہ بھی اشارہ دیا کہ ویٹیکن میں مسلمانوں کے ساتھ مذہبی تعلقات خوشگوار بنانے کے لیے ایک مستقل جمعیت ۱۹۷۴ء میں قائم ہوئی، جس کو سی آر آر ایم (C.R.R.M) کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ تنظیم مسلمانوں کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کی غرض سے برابر اس طرح کی نشستوں کا اہتمام کرتی ہے۔ موجودہ دور میں ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم مسلمان اور عیسائی دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ مفاہمت کا ماحول بنائیں اور امن عالم کے قیام کے لیے سب کے درمیان بھائی چارہ اور دوستی کو بڑھاوا دینے کی کوشش کریں۔

اس اجتماع کی آخری کڑی ناظم اعلی جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود سلفی صاحب کا خطاب تھا۔ آپ نے مختصر وقت میں بڑے موثر طریقہ سے ''امن وسلامتی اور بقائے باہم کے لیے اسلامی تعلیمات اور ہماری ذمہ داریاں'' کے عنوان سے خطاب فرمایا۔ اس خطاب کی اہمیت وجامعیت کے پیش نظر اسے من وعن شائع کیا جارہا ہے:

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن والاه، أمابعد:

محترم المقام صدر اجلاس، معزز حاضرین، مہمانان گرامی، عزیز دوستو اور ساتھیو!

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں آپ سب کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں، خصوصا باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کا دل کی گہرائیوں سے استقبال کرتے ہیں۔

میرے بھائیو! ہم سب جانتے ہیں کہ آج دنیا کو زیادہ امن کی ضرورت ہے۔ اور یہ باہمی احترام اور تعاون کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ ہمارا یہ اجتماع اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس سے پہلے بھی جامعہ سلفیہ اس موضوع پر پروگرام کر چکا ہے اور اس اسٹیج سے ہم بار بار امن وبھائی چارہ کی تعلیم کو عام کرتے چلے آئے ہیں۔

ہمارا یہی مشن ہے۔ ہم اسلام دھرم کے ماننے والے ہیں۔ اسلام کا مطلب سلامتی اور امن ہے اور ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ ہم جب ایک دوسرے سے ملیں تو السلام علیکم کہیں، یعنی آپ پر سلامتی نازل ہو۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ تمام پیغمبروں اور رسولوں پر ایمان لائے، اور سب کا احترام کرے اور کسی دوسرے کو برا بھلا نہ کہے، قرآن میں اللہ نے سکھایا ہے: ﴿وَلاَ تَسُبُّواْ الَّذِيْنَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ فَيَسُبُّواْ اللّهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (سورہ انعام:۱۰۸) جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں ان کو برا بھلا نہ کہو، نہیں تو وہ بھی انجانے میں اللہ کو برا بھلا کہیں گے۔

اسلام میں بدگمانی اور غیبت سے بھی روکا گیا ہے، کیوں کہ یہ آپس میں غلط فہمی اور دشمنی کے بیج بوتے ہیں۔ صبر اور تحمل کی تلقین کی گئی ہے، یہ انسان کے اندر کام کرنے کی ہمت بڑھاتا ہے۔ زنا کاری، چوری اور شراب خوری کی سزائیں متعین کی گئیں، کیوں کہ ان سے سوسائٹی اور معاشرہ خراب ہوتا ہے، قتل اور خونریزی کے لیے قصاص کا نظام بنایا، اس سے ملک اور قوم میں

سلامتی اور امن کا ماحول بنتا ہے۔قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورہ بقرہ:۱۷۹) اے عقلمندو! قصاص میں تمہاری زندگی کی بقا ہے تا کہ تم (قتل وخونریزی سے) بچو۔

قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔اور اس سے زیادہ خراب بات یہ ہے کہ فتنہ وفساد برپا کیا جائے، امن وسکون کو برباد کرنے والا کام فتنہ وفساد کہلاتا ہے، قرآن میں اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (سورہ بقرہ:۱۹۱) فتنہ برپا کرنا قتل سے زیادہ سخت ہے۔اس لیے فتنہ وفساد کو روکنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

میرے بھائیو! اسلام کے پیغمبر محمد ﷺ کو اللہ تعالی نے آج سے چودہ سو سال پہلے اپنا آخری رسول بنا کر بھیجا، اور آپ کی بعثت کو دنیا والوں کے لیے رحمت سے تعبیر کیا، قرآن میں فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (انبیاء: ۱۰۷) ہم نے آپ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔اور آپ کا ارشاد گرامی ہے: "إنما بعثت رحمة" (مسلم:۲۰۰۶) میں سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

تاریخ اٹھا کر مطالعہ کیجئے اور سچائی کے ساتھ مقابلہ اور موازنہ کیجئے کہ آپ سے پہلے دنیا کی کیا حالت تھی اور آپ کے آنے کے بعد کیسے دنیا نے ترقی کی۔میں فخر سے کہتا ہوں کہ آج جو دنیا میں ترقی ہو رہی ہے اس کی بنیاد حضرت محمد ﷺ نے رکھی ہے۔اگر دنیا میں امن نہ ہوتا، دنیا میں شانتی قائم نہ ہوتی، ایک دوسرے کی عزت اور احترام کا درس نہ دیا جاتا، علم اور تعلیم کو فروغ نہ دیا جاتا، دنیا اور کائنات میں غور وفکر کی طرف توجہ کی تعلیم نہ ہوتی تو آج یہ دنیا ایسی نہ ہوتی۔

اسلام نے تہذیب سکھائی ہے، اسلام نے حقوق کی پاسداری سکھائی ہے، اسلام نے ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کی تعلیم دی ہے، انسان اور حیوان سب کے ساتھ رحمت اور نرمی کا برتاؤ کرنے کا سبق سکھایا، تب جا کر دنیا میں امن قائم ہوا۔ اسلام کے اولین دور کی تاریخ، خلفائے راشدین کا زمانہ اور صحابہ کرام کے طرز عمل اس کے شاہد اور گواہ ہیں۔

اللہ تعالی نے قرآن میں فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (سورہ احزاب:۲۱) تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین اسوہ اور آئڈیل ہے۔آپ کی ذات گرامی کوئی ڈھکی چھپی شخصیت نہیں ہے۔نبوت ملنے سے پہلے اور نبوت ملنے کے بعد کے آپ کے حالات اور آپ کی زندگی کی پوری تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔آپ کیسے رہتے تھے، کیا طرز زندگی تھی اور تبلیغ رسالت میں کن مشکلات سے دوچار ہوئے اور آپ کے اخلاق عالیہ اور دوسرے کے ساتھ آپ کے برتاؤ کی مکمل تفصیل کی ایک ایک جزئیات کو سیرت نگاروں نے، تاریخ لکھنے والوں نے اور محدثین کرام نے صحابہ کرام سے لے کر آج سے ہزار سال پہلے کتابوں میں محفوظ کر دیا ہے، یہ کہانی اور قصے نہیں، بلکہ مدلل اور ٹھوس بنیادوں پر قائم سیرت نگاری ہے کہ محمد ﷺ کے فرمان واخلاق کو بیان کرنے والے دسیوں ہزار راویوں کے بھی حالات قلمبند کر دیئے گئے تا کہ کوئی اپنی طرف سے من گھڑت اور جھوٹی بات محمد کی طرف منسوب نہ کر سکے۔علم الرجال اور علم جرح وتعدیل اسلام کی ان خصوصیات میں سے ہے جس کی مثال کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتی۔

جولوگ محمد ﷺ کے بارے میں غلط تصویر پیش کرتے ہیں حقیقت میں انہوں نے محمد (ﷺ) کو نہیں پڑھا، ان کے کیریکٹر کو نہیں جانا، اگر صحیح مطالعہ کرتے تو ضرور عزت اور قدر کرتے جیسا کہ میکائل ایچ ہارٹ (Michael H. Hart) نے اپنی کتاب (The 100) میں دنیا کی عظیم شخصیات میں مقابلہ کرنے کے بعد **محمد** (ﷺ) کو **نمبر ایک** پر جگہ دی۔

آپ کی سیرت اور کیرکٹر ہی اصل اسلام ہے، آپ دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے، آپ کے ساتھیوں نے آپ سے اسلام سیکھا، اور اپنے صدیوں کے اختلاف کو بھلا کر بھائی بھائی بن گئے۔ امیر وغریب، پردیسی واجنبی، آقا اور غلام سب ایک صف میں کھڑے ہوکر کندھے سے کندھا ملا کر نماز پڑھتے، سب کے ساتھ رحمت وشفقت سے پیش آنے کی تعلیم دیتے، معاف اور درگزر کرنے کی تلقین کرتے، آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہ لیا، کتنوں نے آپ کو تکلیف دی، اینٹ اور پتھر پھینکے، راستوں میں کانٹے بچھائے، قتل کے درپے ہوئے، ان سب کے باوجود جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو سب کو معاف کردیا اور ان کے سردار کو عزت دی جنھوں نے خود آپ پر کئی بار مدینہ چڑھائی کی تھی۔ یہ تھے آپ کے اخلاق اور اسی کے نقش قدم پر خلفائے راشدین کی حکومت چلی، جنھوں نے دنیا میں امن وسلامتی کا بیج بویا۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور زندگی کے ہر موڑ کے لیے اس میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ یہ دنیا ومافیہا کے بارے میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے، خالق ومخلوق کے درمیان فرق کو سمجھاتا ہے اور تمام انسان کو ایک ماں باپ کی اولاد اور بھائی بھائی تسلیم کرتا ہے، سب کے ساتھ بھلائی، سب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ اور سب کی عزت کا سبق سکھاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ ﴿لاَ إِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (سورہ بقرہ:۲۵۶) کہ دین میں زور وزبردستی نہیں ہے، بھلائی کا راستہ گمراہی سے واضح ہو چکا ہے۔ محمد ﷺ سے اللہ نے فرمایا کہ ﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ، لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ﴾ (سورہ غاشیہ:۲۱-۲۲) تم نصیحت کرتے رہو کہ تم نصیحت کرنے والے ہو، تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔ اور سورہ کافرون میں غیر مسلموں کو خطاب کرکے کہا گیا کہ ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ (سورہ کافرون:۶) کہ تمہارے لیے تمہارا مذہب ہے اور ہمارے لیے ہمارا مذہب ہے۔

آج دنیا میں مختلف مذاہب موجود ہیں اور ہر مذہب اچھائی کی تعلیم دیتا ہے۔ مذہب اور دھرم کا مطلب ہی اچھائی اور خیر خواہی ہے۔ اس لیے آج ہر مذہب والوں کو اچھائی کو بڑھانے کے لیے آگے آنا چاہیے اور برائی سے روکنا چاہیے۔ اس پر دنیا قائم ہے اور اسی اصول پر امن اور بقا کی ضمانت ہے۔

انسان کی ہر اولاد چاہے بچہ ہو یا بچی جینے کا برابر حق رکھتے ہیں۔ ان کی تعلیم اور ترقی کی ذمہ داری ان کے گارجین پر ہے۔ اور حکومت کا فرض ہے کہ سب کو انصاف کے ساتھ برابر کا حق دے اور سب کو ترقی کا برابر کا موقع فراہم کرے۔ اقوام متحدہ جہاں ہر حکومت کے نمائندہ بیٹھتے ہیں اس کے منشور میں برابر کا حق تسلیم کیا گیا ہے، اگر کسی کی حق تلفی ہوگی یا اس کو دبایا جائے گا تو دل میں ناراضگی وکدورت پیدا ہوگی۔ اس لیے انصاف اور عدل امن وسکون کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہے جس پر

انسانیت کی بھلائی کا پورا ڈھانچہ کھڑا ہے۔

اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی عزت ہو اور سکون سے رہے تو اس کو بھی دوسروں کی عزت کرنی چاہیے۔ جھوٹ چاہے جتنا زور وشور سے عام کیا جائے سچ نہیں ہوسکتا۔ سچ سچ ہی رہے گا اور جھوٹ جھوٹ ہی رہے گا۔ آج مسلمانوں کو اور ان کی تعلیم گاہوں کو دہشت گردی سے جوڑا جارہا ہے۔ کیا یہ مدارس آج سے قائم ہیں؟ سیکڑوں سال سے ان مدارس کی خدمات موجود ہیں، جن پر پہلے کبھی دہشت گردی کا الزام نہیں لگا۔

میرے بھائیو! کوئی مذہب دہشت گردی کی تعلیم نہیں دیتا، کسی مذہب کے ساتھ اس کو جوڑنا غلط ہے۔ میڈیا کو اپنا صحیح کردار ادا کرنا چاہیے۔ غلط اور جھوٹ سے برائیاں بڑھتی ہیں، امن وسلامتی کے لیے حق اور انصاف کو پروان چڑھانا ہوگا، دنیا میں جگہ جگہ قتل وخونریزی ہورہی ہے، جنگ میں کتنے بے گناہ مارے جاتے ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے۔ اس سے ہر دل والے کا دل دکھی ہوتا ہوگا۔ اس بربریت کو ختم کرنا ہوگا۔ آج امن کی ضرورت ہے۔ شانتی کی ضرورت ہے۔ بھائی چارگی اور محبت بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اور یہ تعاون اور ایک دوسرے کے احترام کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ اس میں ہم سب کو ایک دوسرے کا ساتھ دینا چاہیے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، امانت کا، شرافت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اور

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

آخر میں میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس پروگرام میں شرکت کی اور ہماری عزت افزائی فرمائی۔ بہت بہت شکریہ!

مولانا عبداللہ سعود سلفی
ناظم اعلی
جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس، ہند

یہ پروگرام میتری بھون وارانسی کے تعاون سے منعقد ہوا تھا۔ آخر میں اس کی جانب سے ڈاکٹر چندر کانت نے شکریہ کے کلمات پیش کئے اور مذاہب کے نمائندوں کی تکریم کی۔

اس پروگرام میں اساتذہ وطلبہ کے علاوہ معززین شہر، مسلم وغیر مسلم تنظیموں کے نمائندگان اور صحافی حضرات نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور میڈیا میں اس کا کوریج بھی اچھا رہا۔ (مرتب: مولانا عبدالرحیم ریاضی)

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری

شاہ فیصل بین الاقوامی ایوارڈ ۲۰۱۵ء:

سعودی عرب میں مکہ کے گورنر شہزادہ خالد الفیصل نیز انعامی کمیٹی کے سکریٹری جنرل عبداللہ العثیمین نے الخزیمہ سنٹر میں ہونے والی ایک پروقار تقریب میں انعام سے نوازے جانے والے معزز اسماء گرامی کا اعلان کیا، جس میں ہمارے ملک ہندوستان کی اسلامی ریسرچ فاؤنڈیشن کے صدر ڈاکٹر ذاکر نایک کو اسلامی خدمات کے اعتراف میں، اور شعبۂ سائنس میں دو بین الاقوامی اسکالرز، جن میں امریکہ سے تعلق رکھنے والے پروفیسر عمر مونس یاغی، اور سوئزرلینڈ کے پروفیسر مائیکل گراتزل شامل ہیں۔ علاوہ ازیں اسلامک اسٹڈیز کے شعبہ میں خدمات کا ایوارڈ مدینہ ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے ایک کنسلٹنٹ ڈاکٹر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کا کی کو دیا گیا۔

انعام یافتہ حضرات کو عربی میں تحریر کردہ سرٹیفکیٹ سے نوازا جاتا ہے، جس میں ایوارڈ یافتہ کی خدمات کا ذکر ہوتا ہے، نیز ۲۴ قیراط اور ۲۰۰ گرام وزن کا گولڈ میڈل اور ساڑھے سات لاکھ سعودی ریال کا نقد انعام پیش کیا جاتا ہے۔

(الجریدۃ المدینۃ ۲۰۱۵/۲/۴ء)

مسجد حرام کے توسیع شدہ حصے کا افتتاح وآغاز:

مکہ مکرمہ: عالم اسلام کے لیے یہ خبر نہایت ہی مسرت بخش ہوگی کہ مسجد حرام کی مزید توسیع مکمل ہونے کے بعد اب وہ عام مسلمانوں کے لیے کھول دیا گیا ہے، جس سے حرم شریف میں مزید پانچ لاکھ نمازیوں کی گنجائش پیدا ہوگئی ہے۔ سعودی عرب کے فرماں روا شاہ سلمان کی ہدایت پر کھلنے والے حصے سے بزرگ اور نمازی کسی رکاوٹ کے بغیر بہ آسانی طواف کرسکیں گے۔ علاوہ ازیں شاہ سلمان نے مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز جمعہ کے خطبات کا انگریزی، فرانسیسی، اردو وترکی وغیرہ زبانوں میں ترجمے کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

واضح ہو کہ سعودی عرب کے سابق فرماں روا شاہ عبداللہ نے مسجد حرام کا توسیعی منصوبہ شروع کیا تھا، جس کی تکمیل کے بعد اب مسجد حرام میں بیس لاکھ سے زائد افراد بیک وقت نماز ادا کرسکیں گے۔ اور ایک گھنٹے میں ایک لاکھ ۳۰ ہزار زائرین طواف کعبہ کرسکیں گے۔

(جریدہ المدینۃ ۱۵/۲)

فرانس میں ایک خاتون فلم ڈائریکٹر مشرف بہ اسلام:

پیرس میں متنازع میگزین پر حملے کے بعد ملک کے اندر مسلم مخالف جذبات پائے جانے کے باوجود ایک خاتون فلم ڈائریکٹر ایزابیل متیک نے اسلام قبول کرلیا ہے، جس کی جانکاری خود ایزابیل نے اپنے فیس بک پر دی، جس میں انہوں لکھا ہے کہ آج میں نے اسلام کے اولین رکن کلمۂ شہادت کا اقرار کرلیا ہے، انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''شارلی ایبڈو'' کے دفتر میں قتل عام اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات کے بعد میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایزابیل نے لکھا کہ پیغمبر اسلام محمد ﷺ کا خاکہ شارلی ایبڈو نے بنایا تو یہ بات ہمیں سمجھنا چاہیے کہ وہ چاہے نبی کا مضحکہ اڑائیں، لیکن اس سے آپ کا کوئی نقصان نہیں ہونے والا، کیونکہ انہوں نے مضحکہ اڑانے کے لیے جس کردار کا تصور کیا ہے، وہ نبی کا ہے ہی نہیں۔ (اخبار وطن: ۱۵/۲) ☆☆

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

ہم لوگ چار بھائی اور تین بہنوں پر مشتمل ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں والد صاحب ایک لڑکے کے ساتھ چودہ سال تک ایک ہی مکان میں ساتھ رہے، تنگی کی بناء پر والد صاحب نے بحالت صحت وعافیت بہوش وہواس گھر کے ایک طرف ایک قطعہ زمین دے دیا اور کہا کہ تم بنالو اپنے خرچ سے میں بھی ساتھ رہوں گا۔ تعمیر کے بعد چھ سال تا وفات ساتھ رہے۔ تقریباً بیس سال تک دیکھ بھال کرتے رہے واضح ہو کہ انہوں نے ایک وصیت ایک بہن کے سامنے کیا تھا کہ یہ مکان ان کا ہے اس میں کوئی نہیں لے گا باقی جو مکان ہے اس میں سب لیں گے۔ یہ بات بھائی کے سامنے بہن سے کہہ رہے تھے، تو کیا والد صاحب کی یہ وصیت والی بات صحیح ہے اور کیا یہ مذکورہ وصیت کی ہوئی ایک قطعہ زمین کا مالک شرعا ہوا یا نہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ والد صاحب کا ایک بھائی کے حق میں بہن کے سامنے ایک قطعہ زمین کی وصیت کر دینا شرعا جائز و درست نہیں ہے اس لئے کہ وصیت جسے اسلام نے ایک تہائی مال یا اس سے کم میں نافذ کرنے کو فرض قرار دیا ہے تو اس کا ایک خاص مفہوم ہے جو یہ ہے کہ ''وصیت صرف ان قرابت داروں کے لئے جو میت کے زیادہ قریب وارث یا ورثاء کی وجہ سے محجوب المیراث ہو رہے ہوں۔ جیسے کسی میت کے بیٹے یا بھائی نیز پوتے اور بھتیجے موجود ہیں تو ایسی صورت میں میت کے مال متروکہ میں صرف بیٹے اور بھائی حصہ پائیں گے اور پوتے و بھتیجے حصہ سے محروم ہو جائیں گے چونکہ پوتے اور بھتیجے حصہ پانے سے محروم رہے ہیں اس لئے شریعت کا یہ حکم ہے کہ دادا اور چچا ایک تہائی حصہ کے اندر وصیت کر جائیں اگر وصیت نہیں کریں گے تو تارک فرض ہوں گے۔ (فتاوی شیخ الحدیث مبارکپوری ۲/۴۷۴) چونکہ شکل مذکور میں ایک بھائی اپنے دیگر بھائیوں اور بہنوں کی طرح اپنے والد کے ترکہ میں حصہ پانے کا مستحق ہے اس لئے والد صاحب کا ایک بھائی کے حق میں وارث ہونے کی وجہ سے وصیت کرنا درست نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ وصیت نافذ العمل ہوگی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "إن الله قد أعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث" (سنن ابی داود مع عون المعبود ۳/۲۹۰، جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۶/۲۵۸ وصححہ الألبانی کما ھو موجود فی صحیح سنن ابی داود ۲/۵۵۴) اللہ تعالی نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے (یعنی ورثاء کے حصے مقرر کر دیئے ہیں) پس اب کسی بھی وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جاسکتی، اور دوسری حدیث کے اندر فرماتے ہیں: "أنظر قرابتك الذين يحتاجون ولايرثون فأولئك فأوص لهم من مالك بالمعروف حقا على المتقين" (فتح القدیر از امام شوکانی رحمہ اللہ ۱/۱۷۹) تحت تفسیر آیت سورہ بقرہ: ۱۸۰) یعنی تم اپنے

رشتہ داروں کو دیکھو جو محتاج ہیں اور وارث نہیں بنتے ہیں۔ پس تم اپنے مال کا کچھ حصہ منصفانہ طریقے سے انہیں وصیت کردو، اسی طرح مفسرین نے آیت وصیت : ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴾ (سورہ بقرہ:۱۸۰) سے یہی استدلال کیا ہے کہ وصیت کا یہ حکم والدین اور دیگر حصہ پانے والے ورثاء کے حق میں منسوخ کردیا گیا ہے لیکن ان قرابت داروں کے حق میں ابھی بھی باقی رکھی گئی ہے جو وارث نہیں ہوتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: جامع البیان از امام ابن جریر طبری ۲/ ۱۱۷، ۱۱۸، وتفسیر القرآن العظیم ۱/ ۲۷۷)۔

امام ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ: "وفرض على كل مسلم أن يوصى لقرابته الذين لايرثون، إما لرق وإما لكفر وإما لأن هنالك من يحجبهم عن الميراث أو لأنهم لايرثون فيوصى لهم بما طابت به نفسه لاحد في ذلك". (المحلی: از امام ابن حزم رحمہ اللہ ۹/ ۳۱۴) یعنی ہر مسلمان پر ان قرابت داروں کے حق میں وصیت کرنی فرض ہے جو لوگ غلامی، کفر یا کسی اور وارث کی موجودگی میں یا ورثاء میں شمار نہ ہونے کی وجہ سے وراثت سے محروم رہتے ہیں۔

شیخ صلاح الدین یوسف مذکورہ آیت وصیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''پس اب کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ ایسے رشتہ داروں کے لئے وصیت کی جاسکتی ہے جو وارث نہ ہوں یا راہ خیر میں خرچ کرنے کے لئے کی جاسکتی ہے (دیکھئے: قرآن مجید مع اردو ترجمہ وتفسیر ص:۷۲)

نیز شیخ عطاء الرحمٰن مدنی /حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سورہ بقرہ کی (۱۸۰) ویں آیت میں از روئے فرض وتعصیب وراثت سے محروم ہونے والے قرابت داروں کے لئے مناسب مقدار میں وصیت کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ (تیسیر الفرائض: از شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مدنی ص:۸)

اس تفصیل کے بعد یہ واضح ہو کہ آپ کے والد صاحب کی آپ کے بھائی کے حق میں ایک قطعہ زمین کی وصیت صحیح نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس زمین کا شرعاً مالک ہوا اس لئے کہ بھائی دیگر ورثاء کی طرح ایک وارث ہے جو کہ مال متروکہ میں حصہ پانے کا مستحق ہے اور ایسے وارث کے لئے شریعت میں وصیت جائز ودرست نہیں ہے۔

واللہ أعلم بالصـــواب

دار الإفتاء
جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

☆☆☆